موضوع
پندرہ

S282CH15

دستور کی تشکیل

ایک نئے عہد کا آغاز

ہندوستانی دستور یا آئین جسے 26 جنوری 1950 سے عمل میں لایا گیا دنیا میں سب سے طویل آئین ہونے کی خصوصیت کا حامل ہے۔ جب ہم ملک کے حجم اور تنوع کو ملحوظ رکھیں تب شاید اس کی طوالت اور پیچیدگی ہمارے لیے قابل فہم ہو سکے۔ آزادی کے وقت ہندوستان نہ صرف وسیع اور متنوع بلکہ گہرے طور پر منقسم بھی تھا۔ لہٰذا ایک دستور کا خاکہ، ملک کو متحد رکھنے کے لیے اور آگے لے جانے کے لیے ہوشیاری سے طے کردہ تفصیلات اور لگن کے ساتھ تحریر کردہ دستاویز کی شکل میں تفصیلی طور پر تیار کرنا ضروری تھا۔ ایک عمل کے لیے اس آئین نے ماضی اور حال کے زخموں کو بھرنے اور مختلف طبقوں، ذاتوں اور فرقوں کے ہندوستانیوں کو ایک مشترک سیاسی تجربے میں مربوط کرنے کی کوشش کی۔ مزید یہ کہ، اس آئین نے طویل عرصے سے مروّج نظام مراتب اور پاس ولحاظ کے تہذیب وثقافت میں جمہوری اداروں کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔

شکل 15.1

تین سال کے بحث و مباحثہ کے بعد دسمبر 1949 میں آئین پر دستخط کیے گئے

ہندوستانی آئین کی تشکیل دسمبر 1946 اور دسمبر 1949 کے درمیان ہوئی۔ اس دوران ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں اس کے مسودے کی یکے بعد دیگرے شق پر بحثیں ہوئیں۔ کل ملا کر اسمبلی کے گیارہ اجلاس منعقد ہوئے جو 165 دن کی نشستوں پر مشتمل تھے۔ ان اجلاس کے دوران مختلف کمیٹیوں اور ذیلی کمیٹیوں کے ذریعہ مسودے پر نظر ثانی کا کام ہوتا رہا۔

علم سیاسیات کی نصابی کتاب کے مطالعہ سے آپ واقف ہو چکے ہوں گے کہ ہندوستان کا آئین کیا ہے اور آزادی کے بعد کی دہائیوں میں اس آئین نے کس طرح بندوبست کیا ہے۔ یہ باب آپ کو آئین کی تشکیل کے سلسلے میں جو تاریخ پیچھے چھوڑی ہے اور وہ پرزور بحث و مباحثہ جو اس کی تشکیل کا حصہ رہے ہیں، ان سے متعارف کرائے گا۔ اگر ہم آئین ساز اسمبلی کے اندر اٹھنے والی آوازوں کو سننے کی کوشش کریں تو ہمیں اس طریقۂ عمل کا ایک خاکہ مل جائے گا جن کے ذریعہ آئین کی تشکیل ہوئی اور ایک نئے ملک کا تصور تشکیل پایا۔

1. ہنگامہ خیز دور (A TUMULTUOUS TIME)

شکل 15.2
غارتگری اور تباہی کی تصاویر آئین ساز اسمبلی کے ممبران کو مسلسل متاثر کرتی رہیں۔

آئین کی تشکیل سے پیشتر کے سال غیر معمولی طور پر ہنگامہ خیز تھے، یہ عظیم امیدوں کے ساتھ ہی نفرت انگیز مایوسی کا دور بھی تھا۔ 15 اگست 1947 کو ہندوستان آزاد تو کر دیا گیا لیکن تقسیم بھی کر دیا گیا تھا۔ لوگوں کے ذہنوں میں 1942 کی ہندوستان چھوڑو تحریک کی جدوجہد کی یادیں تازہ تھیں جو شاید برطانوی راج کے خلاف سب سے وسیع تحریک تھی۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی مدد سے مسلح جدوجہد کے ذریعہ آزادی حاصل کرنے کے لیے سبھاش چندر بوس کے ذریعہ برطانوی حکومت کو دی گئی للکار بھی لوگوں کے ذہن میں تازہ تھی۔ 1946 کے موسم بہار میں بمبئی اور دیگر شہروں میں رائل انڈین نیوی (Royal Indian Navy) کے غیر کمیشن یافتہ ملاحوں (سپاہیوں) کی بغاوت جو زیادہ قریبی بغاوت تھی، سپاہیوں کے تئیں عوامی ہمدردی کو ابھار رہی تھی۔ 1940 کی دہائی کے آخری سالوں میں ملک کے مختلف حصوں میں معینہ وقفوں سے منتشر مزدوروں اور کسانوں کے عمومی احتجاجات بھی ہو رہے تھے۔

ان عوامی شورشوں کی جاذب نظر خصوصیت ہندو مسلم اتحاد کا شدید مظاہرہ تھا۔ اس کے برخلاف دو نمایاں ہندوستانی سیاسی پارٹیاں مذہبی مفاہمت اور سماجی ہم آہنگی کے متعلق کسی تصفیہ پر پہنچنے میں بار بار ناکام ہو رہی تھیں۔ اگست 1946 میں کلکتہ میں شروع ہونے والی عظیم ہلاکتوں کے ساتھ شمالی اور مشرقی ہندوستان میں تقریباً سال بھر تک فسادات کا سلسلہ جاری رہا۔ (دیکھیے باب

© NCERT not to be republished

13 اور 14)۔ تشدد کی انتہا قتل عام کی شکل میں ہوئی جب ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کیا گیا جو آبادی کی منتقلی کا اعلان بھی تھا۔

15 اگست 1947 کو یوم آزادی پر جو خوشی اور امید کا اظہار کیا گیا وہ ان لوگوں کے لیے ناقابل فراموش تھا جو اس دور میں زندہ تھے، لیکن ہندوستان میں ان گنت مسلمانوں اور پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو ایذا رساں انتخاب کا سامنا کرنا تھا۔ ایک طرف یکا یک موت یا مواقع کا

شکل 15.3

14 اگست 1947 کی نصف شب میں جواہر لعل نہرو دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس دن جواہر لعل نہرو نے اپنی تقریر مندرجہ ذیل سطروں کے ساتھ شروع کی

''کافی عرصہ پہلے ہم نے تقدیر کے ساتھ ملاقات کرنے کا عہد کیا تھا اور اب وہ وقت آ گیا ہے جب ہم اپنے عہد کو پورا کریں گے، نہ صرف مکمل طور پر یا پوری مقدار میں بلکہ بڑی حد تک پورا کریں گے''

نصف شب کی ساعت کی ضرب پر جب دنیا سو رہی ہے ہندوستان زندگی اور آزادی کے لیے بیدار ہو رہا ہے۔

استحصال اور دوسری طرف اپنی قدیم جڑوں سے اکھڑ جانے کا جبراً سلوک لاکھوں پناہ گزیں حرکت پذیر تھے۔ مسلمان مشرقی اور مغربی پاکستان کی طرف تو ہندو اور سکھ مغربی بنگال اور پنجاب کے نصف مشرق کی طرف حرکت کر رہے تھے۔ بہت سے افراد اپنی منزل مقصود تک پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہو چکے تھے۔

نئے ملک کو ایک دوسرے اور بمشکل کم سنجیدہ مسئلہ کا سامنا تھا جو شاہی ریاستوں کا تھا۔ برطانوی حکمرانی کے دوران برصغیر کا تقریباً ایک تہائی علاقہ نوابوں اور مہاراجاؤں کے ماتحت تھا جو برطانوی تاج کی اطاعت قبول کر چکے تھے لیکن بہ لحاظ دیگر زیادہ تر کو انگریزوں نے اپنی قلمرو کو حسب منشا حکمرانی کرنے یا من مانی حکومت چلانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا کرتے تھے۔ جب انگریزوں نے ہندوستان چھوڑا تو ان نوابوں اور راجاؤں کی آئینی حیثیت مبہم بنی رہی۔ ایک ہم عصر شاہد نے رائے زنی کی تھی کہ کچھ مہاراجاؤں نے تو اب بہت سے حصوں میں تقسیم ہند کے بعد آزاد اقتدار کے پراگندہ خوابوں میں عیش کرنا شروع کر دیا تھا۔

یہ وہ پس منظر تھا جس میں دستور ساز اسمبلی اجلاس کر رہی تھی۔ باہر جو کچھ واقع ہو رہا تھا اس سے آئین ساز اسمبلی کے اندر ہونے والے بحث و مباحثہ کس طرح الگ رہ سکتے تھے؟

© NCERT not to be republished

1.1 دستور ساز اسمبلی کی تشکیل

(The making of the Constituent Assembly)

1946 کے صوبائی الیکشن کی بنیاد پر دستور ساز اسمبلی کے ممبران کا انتخاب کیا گیا۔ برطانوی ہندوستان کے صوبوں کے ذریعہ بھیجے گئے ممبران کے علاوہ اسمبلی میں شاہی ریاستوں کے نمائندے بھی شامل تھے۔ انھیں اس لیے بھیجا گیا تھا کیونکہ یہ ریاستیں بھی یکے بعد دیگرے ہندوستانی اتحاد میں شامل ہو چکی تھیں۔ مسلم لیگ نے ابتدائی اجلاسوں (یعنی جو 15 اگست 1947 سے قبل منعقد ہوئے تھے) کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا لہٰذا یہ اجلاس ایک واحد پارٹی کی نمائش بن گئے اس لیے کہ کل ممبران میں 82 فی صد ممبران کانگریس پارٹی کے تھے۔

کانگریس بذات خود ایک وسیع محاذ رکھتی تھی اس کے ممبران بھی آرا کا ایک وسیع سلسلہ رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ ملحد اور سیکولر تھے اور دیگر (ایک اینگلو انڈین ممبر فرینک اینتھونی کے الفاظ میں) تکنیکی طور سے کانگریس کے لیکن روحانی سطح پر آر ایس ایس اور ہندو مہا سبھا کے ممبر تھے۔ بعض اپنے معاشی فلسفہ میں سوشلسٹ (اشتراکی) تھے تو دیگر چند زمین داروں کے حقوق کے محافظ تھے۔ اندرونی تنوع کے علاوہ کانگریس نے مختلف ذاتوں اور مذہبی گروہوں کی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے آزاد ممبران اور خواتین کو بھی نامزد کیا تھا۔ اس نے خاص طور پر آئین ساز اسمبلی میں ماہرین قانون کو لانے کی کوشش کی۔ دستور (آئین) ساز اسمبلی کے اندر واقع ہونے والے شدید بحث و مباحثہ سے آرا کے تنوع کی عکاسی ہوتی ہے۔

ایسے وقت میں جب کہ دستور ساز اسمبلی میں غور و فکر جاری تھا تو فریقین کے دلائل اخبارات میں شائع ہوا کرتے اور تجاویز پر عوامی مباحثے بھی ہوتے تھے۔ پریس (اخبارات) میں ہونے والی تنقید اور جوابی تنقید سے واضح مسائل پر باری باری بننے والی عمومی اتفاق رائے کی نوعیت بالآخر ایک قالب تک پہنچ جاتی تھی۔ بہ لحاظ ترتیب اجتماعی شرکت داری کا شعور پیدا کرنے کے لیے عوام سے ان کی رائے بھی پیش کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اس ضمن میں سینکڑوں جوابی ردعمل سامنے آئے۔ ان میں سے چند نمونوں سے یہ اشارے ملے کہ قانون سازوں کو کتنے باہم مخالف مفادات زیر غور لانے تھے۔ اسی طرح، آل انڈیا ورن آشرم سوراجیہ سنگھ (کلکتہ میں قائم) نے درخواست کی کہ ''آئین (دستور) قدیم ہندو کتابوں میں مذکورہ اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے۔'' گائے ذبح کرنے کی ممانعت اور مذبح خانوں کو بند کرنے کی خصوصی طور پر سفارش کی گئی۔ نچلی ذاتوں کے گروہ نے مطالبہ کیا کہ ''اعلی ذات کے لوگوں کے ذریعہ غلط رویے'' کا خاتمہ ہو اور ان کی آبادی کی بنیاد پر قانون

© NCERT not to be republished

شکل 15.4
دستور ساز اسمبلی کا اجلاس
سردار ولبھ بھائی پٹیل دائیں سے دوسری سیٹ پر بیٹھے نظر آرہے ہیں۔

ساز اداروں، سرکاری محکموں اور مقامی اداروں وغیرہ میں علاحدہ نشستیں محفوظ ہوں'' لسانی اقلیتوں نے مادری زبان میں اظہار رائے کی آزادی اور لسانی بنیاد پر صوبوں کی ازسرنو تقسیم'' کے لیے کہا۔ مذہبی اقلیتوں نے مخصوص حفظ ماتقدم کے لیے درخواست کی اور وزیانگرم کے ضلع ٹیچر کی گلڈ (انجمن) اور سینٹرل جیوش بورڈ آف بامبے نے درخواست کی کہ تمام عوامی اداروں بشمول قانون ساز اداروں وغیرہ میں ان کو مناسب نمائندگی'' ملنی چاہیے۔

1.2 ذی اثر آوازیں (The dominant voices)

دستور ساز اسمبلی میں کل ملا کر 300 ممبران تھے۔ ان میں سے چھ ممبران نے خاص طور پر اہم کردار ادا کیا، جن میں سے تین جواہر لعل نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور راجندر پرساد کانگریس کے نمائندے تھے۔ یہ نہرو ہی تھے جنھوں نے ''فیصلہ کن اہداف'' (مقاصد) قرارداد پیش کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی قرارداد میں تجویز کیا تھا کہ ہندوستان کا قومی پرچم ''زعفرانی، سفید اور گہرے ہرے رنگ کی مساوی تناسب کی وسیع متوازی پٹیوں کا ترنگا'' ہوگا جس کے درمیان میں نیلے رنگ کا دائرہ ہوگا۔ دوسری طرف پس پردہ زیادہ تر کام پٹیل کر رہے تھے۔ انھوں نے اہم کردار ادا کرتے ہوئے بہت سی رپورٹوں کے مسودے تحریر کیے اور باہم مخالف نقطۂ نظر میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کام کیے۔ راجندر پرساد کا کردار اسمبلی کے صدر کے طور پر تھا جہاں انھیں بحث ومباحثہ کے لیے تعمیری خطوط پر رہنمائی کرنی تھی اور اس دوران انھیں اس بات کو بھی یقینی بنانا تھا کہ تمام ممبران کو اپنی بات کہنے کے لیے موقع ملے۔

کانگریس کے اس مثلث کے علاوہ اسمبلی کے ایک انتہائی اہم ممبر، نامور وکیل اور ماہر معاشیات

بھیم راؤ امبیڈکر بھی تھے۔ برطانوی عہد حکمرانی کے دوران امبیڈکر کانگریس کے سیاسی مخالف رہے تھے، لیکن آزادی کے وقت گاندھی جی کے مشورے پر ان سے یونین کابینہ میں بطور وزیر قانون شامل کرنے کے لیے درخواست کی گئی۔ اس حیثیت سے انھوں نے دستور کی مسودہ ساز کمیٹی (Drafting Committee of the Constitution) کے چیئرمین (صدر نشین) کے طور پر کام کیا۔ ان کے ساتھ دو اور دیگر وکیل بھی کام کر رہے تھے جن میں ایک گجرات سے کے۔ ایم۔ منشی اور دوسرے الادی کرشنا سوامی ایّر مدراس سے تھے۔ دونوں نے ہی دستور کے مسودے میں فیصلہ کن اضافہ کیے۔

ان چھ ممبران کو دو انتظامی افسران بھی ناگزیر مدد دے رہے تھے جن میں ایک بی۔ این۔ راؤ تھے جو حکومت ہند کے آئینی مشیر تھے۔ انھوں نے دیگر ممالک میں رواج پذیر سیاسی نظاموں کے نزدیکی مطالعہ کی بنیاد پر توضیحی مقالوں کا ایک سلسلہ تیار کیا تھا۔ دوسرے افسر آئین کے خاص خاکہ ساز (قانون کا مسودہ مرتب کرنے والے) ایس۔ این۔ مکھر جی تھے جن کے متعلق امبیڈکر نے کہا تھا کہ ''ان کی نہایت پیچیدہ تجاویز کو انتہائی آسان اور نہایت واضح قانونی شکل میں رکھنے کی صلاحیت کا شاذ و نادر ہی کوئی برابری کر سکتا ہے۔''

امبیڈکر کے پاس اسمبلی کے ذریعہ آئین کے مسودہ کے انصرام کی ذمہ داری بھی تھی۔ اس کام میں کل ملا کر تین سال کا عرصہ لگا جس میں ہوئے بحث و مباحثہ کے طبع شدہ ریکارڈ گیارہ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئے۔ حالانکہ یہ ایک لمبا طریقۂ عمل تھا تاہم انتہائی دلچسپ بھی تھا۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبران نے گاہے بہ گاہے بڑی حد تک اپنے منتشر نقطۂ نظر واضح انداز میں پیش کیے۔ ان کی پیش کش کے اظہار میں ہم ہندوستان کے بہت سے باہم مخالف تصورات — ہندوستانیوں کو کیسی زبان بولنی چاہیے، ملک کو کیسے سیاسی و معاشی نظاموں پر عمل کرنا چاہیے، اس کے شہریوں کو کس نوعیت کی اخلاقی اقدار کی توثیق کرنی چاہیے یا بری الذمہ ہونا چاہیے — کا ادراک کر سکتے ہیں۔

بحث کیجیے..........

باب 13 اور 14 کو ایک بار پھر پڑھیے۔ بحث کیجیے کہ اس زمانے کے سیاسی حالات نے دستور ساز اسمبلی کے اندر بحث و مباحثہ کی نوعیت کو کس طرح قالب دیا ہوگا۔

شکل 15.5

بھیم راؤ امبیڈکر ہندو کوڈ بل (Hindu Code Bill) پر بحث و مباحثہ کرتے ہوئے

2. آئین کی بصارت
(THE VISION OF THE CONSTITUTION)

13 دسمبر 1946 کو جواہر لعل نہرو نے دستور اسمبلی میں ''اہداف قرارداد'' (Objectives Resolution) پیش کی۔ یہ عظیم اہمیت کی حامل قرارداد تھی جس میں آزاد ہندوستان کے آئین کے نصب العین کی توضیح کرتے ہوئے ایک خاکہ اور ایک بنیادی ڈھانچہ مہیا کرایا گیا تھا جس کے اندر رہ کر دستور سازی کا کام آگے بڑھانا تھا۔ اس میں ہندوستان کو ''آزاد خود مختار جمہوریہ'' اعلان کیا گیا تھا، اپنے شہریوں کو انصاف، مساوات اور آزادی کی ضمانت دی گئی تھی اور یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ ''اقلیتوں، پسماندہ اور قبائلی علاقوں اور پست وخستہ حال اور دیگر پسماندہ طبقات کے لیے اطمینان بخش تحفظ مہیا کرایا جائے گا.....'' ان مقاصد کی نشاندہی کرنے کے بعد نہرو نے ہندوستانی تجربے کو وسیع تاریخی تناظر میں پیش کیا جیسا کہ انھوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ایسے حقوق کی دستاویزات تیار کرنے کے لیے ان کا ذہن ماضی میں اس طرح کے کارناموں کی طرف جا رہا تھا۔

ماخذ 1

''ہم صرف نقل کرنے نہیں جا رہے ہیں''
("We are not going just to copy")

13 دسمبر 1946 کو جواہر لعل نہرو نے اپنی تقریر میں کہا تھا:

میرا ذہن ماضی میں منعقد مختلف دستور ساز اسمبلیوں کی طرف جا رہا ہے جو بہت پہلے عظیم امریکی ملک کے دستور کی تشکیل کا کام انجام دے چکی ہیں جب امریکہ کے اکابرین قوم نے اس کو منظور کر کے رائج کر دیا تھا، جو اتنے سالوں، ڈیڑھ صدی سے بھی زیادہ عرصہ سے کسوٹی پر پورا اترا ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک عظیم ملک بنا جو اسی آئین کی بنیاد پر تعمیر ہوا تھا۔ میرا ذہن ماضی میں اس انقلاب کی طرف جاتا ہے جو 150 سال پہلے واقع ہوا تھا اور اس دستور ساز اسمبلی کی طرف خیال جاتا ہے جو آزادی کے لیے اتنی ساری لڑائیاں لڑنے والے پیرس کے دلفریب اور خوبصورت شہر میں منعقد ہوئی تھی۔ اس دستور ساز اسمبلی نے کتنی مشکلات کا سامنا کیا اور کس طرح بادشاہ اور دیگر مختار کار حکومت اس کے راستے میں آئے اور یہ سب باتیں اب تک مسلسل میرے ذہن میں آ رہی ہیں۔ ایوان یہ بات یاد رکھے گا کہ جب ایسی مشکلات آئیں اور حتیٰ کہ دستور ساز اسمبلی کو اجلاس منعقد کرنے کے لیے ایک کمرہ دینے سے انکار کر دیا گیا تو پھر انھوں نے خود ایک کھلے ٹینس میدان میں نشست کر کے اجلاس کیا تھا اور حلف لیا تھا جسے ٹینس کورٹ کا حلف کہا جاتا ہے۔ انھوں نے بادشاہ اور دیگر لوگوں کی رکاوٹوں کے باوجود اپنی میٹنگیں جاری رکھیں اور تب تک وہ وہاں سے منتشر نہیں ہوئے جب تک انھوں نے اپنا کام مکمل نہیں کر لیا۔ ہاں مجھے یقین ہے کہ ہم بھی اسی باوقار حوصلے سے یہاں اجلاس (میٹنگ) کر رہے ہیں اور خواہ ہمارا اجلاس اس ہال میں ہو یا کسی دیگر ہال میں یا میدان میں ہو یا بازار میں ہو ہماری میٹنگیں تب تک جاری رہیں گی جب تک ہم اپنا کام مکمل نہیں کر لیں گے۔

اس موقع پر میرا دھیان حال ہی میں واقع ہونے والے ایک انقلاب کی طرف جاتا ہے جس سے ایک نئی قسم کی ریاست کا عروج ہوا۔ یہ انقلاب روس میں آیا تھا اور جس سے یونین آف سوویت سوشلسٹ ریپبلک (Union of Soviet Socialist Republic) وجود میں آیا۔ ایک دیگر طاقتور ملک جو دنیا میں ایک غیر معمولی کردار ادا کر رہا ہے، نہ صرف ایک طاقتور ملک ہے بلکہ ہندوستان میں ہمارے لیے، ایک پڑوسی ملک بھی ہے۔

لہٰذا ہمارا دھیان ماضی کی عظیم مثالوں کی طرف جاتا ہے اور ان کی کامیابی سے ہمیں سیکھنے اور ناکامیوں سے گریز کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ممکن ہے ہم ان ناکامیوں سے گریز کرنے کے اہل نہ ہوں کیونکہ کسی بھی انسانی کوشش میں فطری طور پر جزوی ناکامی کی گنجائش موجود ہے، تاہم تمام رکاوٹوں اور پریشانیوں کے باوجود، مجھے یقین ہے کہ ہم آگے بڑھیں گے اور اس خواب کو حاصل کر کے حقیقت آفریں بنائیں گے جو ہم ایک طویل عرصہ سے دیکھ رہے تھے۔

ہمارا کہنا ہے کہ ایک آزاد خود مختار جمہوریہ بننے کے لیے ہمارا یہ پختہ اور باوقار فیصلہ ہے۔ ہندوستان کا ایک خود مختار ملک ہونا طے شدہ ہے، اس کا آزاد ہونا اور جمہوریہ بننا یقینی ہے......اب کچھ دوستوں نے سوال اٹھایا ہے کہ آپ نے یہاں ''جمہوریت'' لفظ کیوں نہیں رکھا؟ ٹھیک ہے، میں نے ان سے کہا کہ بے شک یہ قابل فہم کہ کوئی جمہوریہ جمہوریت نہ ہو لیکن ہمارا پورا ماضی اس بات کا گواہ ہے کہ ہم جمہوری اداروں کے ہی طرفدار ہیں۔ واضح طور پر ہمارا مقصد جمہوریت ہے، جمہوریت نے دنیا کی ترقی میں عظیم کردار ادا کیا ہے ان میں سے بہت سی یوروپ میں اور دیگر جگہوں میں ہیں۔ تاہم یہ مشتبہ ہو سکتا ہے کہ اگر انھیں طویل عرصہ تک مکمل طور پر جمہوریت بنے رہنا ہے تو نہ جانے کب ان کو اپنی شکل کسی قدر تبدیل کرنی پڑے۔ مجھے یقینی ہے کہ یقین جمہوری طریقۂ عمل یا نام نہاد جمہوری ملک کے ایک ادارے کی ہم صرف نقل کرنے نہیں جا رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان پر اضافہ کر سکیں۔ بہر حال، ہم یہاں کیسا ہی نظام

© NCERT not to be republished

حکومت قائم کریں وہ ہمارے لوگوں کے مزاج سے ہم آہنگ اور ان کے لیے قابل قبول ضرور ہونا چاہیے۔ ہم جمہوریت کی حمایت کررہے ہیں۔ یہ بات اس ایوان کو طے کرنی ہوگی کہ جمہوریت یعنی پوری طرح مکمل جمہوریت کی شکل کیا ہوگی۔ مجھے امید ہے ایوان نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ اس قرارداد میں اگرچہ ہم نے لفظ ''جمہوریت'' کا استعمال نہیں کیا ہے کیونکہ ہم سوچتے ہیں کہ یہ فطری ہے کہ لفظ ''جمہوریت'' میں وہ لفظ اندر سمایا ہوا ہے اور ہم غیر ضروری اور بے کار الفاظ کا استعمال کرنا نہیں چاہتے۔ ہم لفظ استعمال کرنے کے بجائے اس سے کہیں زیادہ کرچکے ہیں۔ ہم نے اس قرارداد میں جمہوریت کا متن پیش کیا ہے اور نہ صرف یہ کہ جمہوریت کا متن بلکہ اگر میں کہوں تو اس قرارداد میں معاشی جمہوریت کا متن بھی پیش کیا ہے۔ دیگر لوگوں کو شاید اس بات پر اعتراض ہو کہ تم نے اس قرارداد میں ہندوستان کو ایک سوشلسٹ (اشتراکی) ملک بنانے کا ذکر نہیں کیا۔ ٹھیک، میں اشتراکیت (Socialism) کا حمایتی ہوں اور مجھے امید ہے ایک دن ہندوستان بھی اشتراکیت کا حمایتی ہوگا اور وہ ہندوستان ایک اشتراکی ریاست کے آئین کی طرح چلے گا اور مجھے یقین ہے کہ ایک دن پوری دنیا اسی راستے پر چلے گی۔

دستور ساز اسمبلی مباحثہ (سی اے ڈی) جلد اول

ٹینس کورٹ کا حلف

❸ ماخذ 1 میں اہداف (مقاصد) قرارداد میں اصطلاح جمہوریت کا استعمال نہ کرنے کے لیے جواہر لعل نہرو نے کیا توضیح پیش کی؟

نہرو کی تقریر (ماخذ 1) کی خوبیوں کی محتاط انداز میں تفتیش کرنی ہوگی۔ یہاں صحیح طور پر کیا بیان کیا گیا ہے؟ نہرو کی بظاہر ماضی کی حسرت ناک یادوں کی طرف واپسی کی ترجمانی سے کیا پتہ چلتا ہے؟ آئین کی بصارت میں شامل تصورات کی اصل سے متعلق وہ کیا کہتے ہیں؟ ماضی کی طرف جاتے ہوئے اور امریکی و فرانسیسی انقلابات کا حوالہ دیتے ہوئے نہرو ہندوستان میں آئین کی تشکیل کی تاریخ کو حریت اور آزادی کے لیے جدوجہد کی طویل تاریخ سے منسوب کررہے ہیں۔ ہندوستانی تدبیر کی عظیم سرشت کو ماضی میں انقلابی لمحات سے مربوط کرنے کا اصرار کررہے ہیں۔ لیکن نہرو یہ مشورہ نہیں دیتے کہ وہ واقعات حال کے لیے کوئی منصوبہ کا خاکہ (Blueprint) مہیا کررہے ہیں یا کسی ان انقلابات کے تصورات کو بے شعوری ارادے کے مستعار لیا جاسکتا ہے اور ہندوستان میں نافذ کیا جاسکتا ہے۔ وہ جمہوریت کی کسی مخصوص شکل کی توضیح اور تجویز نہیں کررہے تھے کہ یہ بحث و مباحثہ اور غور و فکر کے ذریعہ طے ہوگی۔ انھوں نے تاکید کی کہ ہندوستان میں متعارف آئین کے نصب العین اور پیش بندیاں کیں اور یہ اخذ کی ہوئی نہیں ہوسکتی۔ انھوں نے کہا تھا ہم صرف نقل کرنے نہیں جارہے ہیں۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہندوستان میں حکومت کا جو بھی

نظام قائم ہووہ ہمارے لوگوں کے مزاج سے ہم آہنگ اوران کے لیے قابل قبول ہونا چاہیے''۔مغرب کے لوگوں سے ان کے کارناموں اور ناکامیوں سے سیکھنا ضروری ہے لیکن مغربی ممالک کو بھی کہیں اور ہونے والے تجربات سے سیکھنا پڑا تھا اور انھیں جمہوریت کا اپنے خود کا تصور بھی تبدیل کرنا پڑا تھا۔ ہندوستانی آئین کا مقصد جمہوریت کے حریت پسند تصورات کی معاشی انصاف کے اشتراکی تصور کے ساتھ آمیزش کرنی ہوگی اور ہندوستانی تناظر کے اندر اُن تمام تصورات کو نئی وضع سے بنانا ہوگا اور نئے سرے سے مطابقت پیدا کرنی ہوگی۔ کیا نہرو کی دلیل حجت ہندوستان کے لیے موزوں ہے، اس کے متعلق تخلیقی انداز میں غور وفکر کرنے کے لیے تھی۔

2.1 عوامی خواہش (The will of the people)

دستور ساز اسمبلی کے ایک کمیونسٹ ممبر سومناتھ لاہری کو دستور ساز اسمبلی کے بحث ومباحثہ کے اوپر برطانوی سامراجیت کا سیاہ ہاتھ لٹکا ہوا نظر آتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے خاص طور پر ممبران اور عام طور پر ہندوستانیوں سے سامراجی حکومت کے اثرات سے خود کو پوری طرح آزاد ہونے کے لیے اصرار کیا۔ 47-1946 کی سردیوں میں جب اسمبلی میں بحث ومباحثہ جاری تھا انگریز ہندوستان میں تھے۔ جواہر لعل نہرو کی سربراہی میں عارضی حکومت کا نظم ونسق قائم تھا لیکن یہ حکومت صرف وائسرائے اور لندن میں موجود برطانوی حکومت کی نگرانی کے تحت امور انجام دے سکتی تھی۔ لاہری نے پوری طرح آگاہ کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں سے فہمائش کی کہ دستور ساز اسمبلی انگریزوں کی بنائی ہوئی ہے اور وہ انگریزوں کے منصوبوں پر مصروف کار رہے جیسا کہ انگریز ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

شکل 15.6

عارضی حکومت کے ممبران

راجندر پرساد مرکز میں، ساتھ ان کی دائیں جانب جواہر لعل نہرو اور بائیں جانب سردار پٹیل بیٹھے ہوئے ہیں اور بائیں جانب انتہائی آخر میں بھیم راؤ امبیڈکر اور دائیں جانب انتہائی آخر میں شیاما پرساد مکھرجی بیٹھے نظر آرہے ہیں۔

© NCERT not to be republished

ماخذ 2

''بہت خوب، جناب — جرأت مند الفاظ، باوقار الفاظ''
("That is very good, Sir – bold words, noble words")

سومناتھ لاہری نے کہا تھا:

ٹھیک، جناب، میں پنڈت نہرو کو اس بات کے لیے مبارک باد دینا چاہتا ہوں کہ انھوں نے ہندوستانیوں کے طرز فکر و احساس کو عمدہ پیرائے میں بیان کیا، جب انھوں نے کہا کہ ہندوستانی لوگ، انگریزوں کے ذریعہ عائد کی گئی کوئی بھی بات قبول نہیں کریں گے۔ عائد کرنے کے اس طرح کے عمل پر اعتراض اور ناراضگی کا اظہار کیا جائے گا۔ انھوں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ضرورت ہوئی تو ہم جدو جہد کی وادی میں سیر کریں گے۔ بہت خوب، جناب — جرأت مند الفاظ، باوقار الفاظ۔

لیکن غور کرنے کا نکتہ یہ ہے کہ اس چیلنج کو آپ کب اور کس طرح بروئے کار لانے جا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے، جناب، معاملہ یہ ہے کہ عائد کرنے کا عمل یہاں کیا جا رہا ہے، نہ صرف برطانوی منصوبے نے مستقبل کا کوئی دستور بنا دیا ہے...... جو انگریزوں کے لیے اطمینان بخش معاہدے پر منحصر ہوگا بلکہ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے اختلاف کے لیے آپ کو وفاقی عدالت (Federal court) تک دوڑنا ہوگا یا وہاں انگلینڈ میں حاضر ہو کر ناچنا ہوگا یا برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹلی (Clement Attlee) یا کسی اور کو پکارنا ہوگا۔ صرف یہی حقیقت نہیں ہے۔ ہم منصوبوں کی جو بھی تدبیر سوچیں، اس دستور ساز اسمبلی کے تحت برطانوی بندوقوں، برطانوی فوج اور ان کی معاش و مالیاتی جان لیوا عفریت کے سائے میں ہیں جس کا مطلب ہے کہ فیصلہ کن اقتدار ابھی انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گا اور اقتدار کا سوال ابھی تک حتمی طور پر طے نہیں ہوا ہے جس کا مطلب ہے کہ مستقبل ابھی تک پوری طرح ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے، نہ صرف یہ بلکہ حال ہی میں ایٹلی اور دیگر افراد کے ذریعہ دیے گیے بیانات سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ، حتیٰ کہ آپ کو پورے طور سے تقسیم کرنے کی دھمکی دیں گے۔ اس کے معنی ہیں جناب کہ اس ملک میں کوئی آزادی نہیں ہے۔ جیسا کہ کچھ دنوں قبل سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کہا تھا، ہمارے پاس صرف آپس میں لڑنے کی آزادی ہے۔ ہم صرف اتنی ہی آزادی حاصل کر پائے ہیں...... اس لیے ہماری عاجزانہ تجویز ہے کہ سوال اس منصوبے کی تفصیلات کی توضیح کے ذریعہ کچھ حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہاں اور ابھی آزادی کا اعلان، عبوری حکومت اور ہندوستان کے لوگوں سے اپیل کرنے، برادر کشی کی جنگ و جدل کو روکنے اور اپنے دشمن کے خلاف تیار رہنے جس کے ہاتھ میں ابھی تک چابک ہے یعنی برطانوی سامراجیت کو دیکھنے کا ہے اور باہم مل کر اس سے لڑنے کے لیے آگے بڑھیں اور اس کے بعد جب ہم آزاد ہو جائیں گے تو بعد ازاں ہم اپنے دعووں کو طے کر لیں گے۔

سی اے ڈی، جلد اول

نہرو نے اعتراف کیا کہ زیادہ تر قوم پرست لیڈران ایک مختلف قسم کی دستور ساز اسمبلی چاہتے ہیں۔ ایک معنی میں یہ صحیح بھی تھا کہ برطانوی حکومت ''کا اس کے ظہور میں ہاتھ تھا'' اور اس نے اسمبلی کے اندر کارگزاری کے لیے یقینی شرائط عائد کر دی تھیں۔ ''لیکن'' نہرو نے اصرار کے ساتھ کہا ''آپ کو اس ماخذ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے جس سے یہ اسمبلی اپنی طاقت اخذ کر رہی ہے۔'' نہرو نے مزید اضافہ کیا:

> ⊂ ماخذ 2 میں مقرر کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ دستور ساز اسمبلی برطانوی بندوقوں کے سائے میں کام کر رہی ہے؟

حکومتیں، ریاستی کاغذات سے وجود میں نہیں آئیں۔ فی الحقیقت حکومتیں لوگوں کی خواہش کا اظہار ہوتی ہیں۔ آج ہم یہاں آپس میں مل رہے ہیں کیونکہ ہمارے پیچھے لوگوں کی طاقت ہے اور ہم اتنی ہی دور جا پائیں گے جتنی دور لوگ ہمیں لے جانا چاہیں گے۔ کسی پارٹی یا گروپ کے نہیں بلکہ مجموعی لحاظ سے لوگ.... ہماری خواہش ساتھ چلنے کی ہوگی۔ اس لیے ہمیں ہندوستانی عوام کے دلی جذبات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا ہوگا اور انھیں پورا کرنے کوشش کرنی ہوگی۔

شکل 15.7
ایڈو ن مونٹیگو 1919 کے چیمپس ۔فورٹ اصلاحا ت کے با نی تھے ۔ جس میں صوبا ئی قا نو ن ساز اسمبلیو ں میں کسی حد تک نمائندگی کی اجازت دی گئی تھا۔

دستور ساز اسمبلی سے ان لوگوں کی خواہشات کے اظہار کی لیے توقع کی جاتی تھی جنھوں نے آزادی کے لیے تحریک میں حصہ لیا تھا۔ انیسویں صدی کے بعد سے ہندوستان میں جمہوریت، مساوات اور انصاف جیسے نصب العین سماجی جدوجہد کے ساتھ گہرے طور پر وابستہ ہو گئے تھے۔ جب انیسویں صدی میں سماجی مصلحین نے بچپن کی شادی کی مخالفت کی اور بیوہ کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دینے کا مطالبہ کیا تو وہ سماجی انصاف کے لیے ہی پیروی کر رہے تھے۔ جب سوامی وویکانند نے ہندو مذہب کی اصلاح کے لیے مہم چلائی تو وہ مذاہب کو زیادہ انصاف پر مبنی بنانا چاہتے تھے۔ جب مہاراشٹر میں جیوتی با پھولے نے پسماندہ ذاتوں کی تکالیف کی طرف توجہ دلائی یا جب کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں نے مزدوروں اور کسانوں کو منظم کیا تو وہ بھی معاشی اور سماجی انصاف کا مطالبہ کر رہے تھے۔ برطانوی حکومت کے خلاف جسے ایک ظالمانہ اور ناجائز حکومت کے طور پر دیکھا جاتا تھا قومی تحریک ناگزیر طور پر جمہوریت اور انصاف، شہریوں کے حقوق اور مساوات کے لیے بھی ایک جدوجہد تھی۔

فی الحقیقت، جوں جوں نمائندگی کے لیے مطالبہ بڑھا، انگریزوں کو مجبوراً دستوری اصلاحات کا ایک سلسلہ متعارف کرانا پڑا۔ صوبائی حکومتوں میں ہندوستانیوں کی شرکت بڑھانے کے لیے بتدریج کئی قوانین (ایکٹ) (1909، 1919 اور 1935) پاس کیے گئے۔ 1919 میں انتظامیہ کو جزوی طور پر صوبائی قانون ساز اداروں کے تئیں جوابدہ بنایا گیا اور 1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت اسے تقریباً پوری طرح قانون ساز اداروں کے تئیں جوابدہ بنایا گیا۔ جب 1937 میں گورنمنٹ آف انڈیا کے تحت الیکشن منعقد ہوئے تو گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں کانگریس اقتدار میں آ گئی۔

تاہم، پہلے کے آئینی ارتقا اور 1946 سے آگے کے تین سالوں کے دوران وقوع پذیر واقعات کے درمیان اٹوٹ تسلسل کے طور پر نہیں دیکھنا چاہیے۔ حالانکہ پہلے کے آئینی تجربات ایک نمائندہ حکومت کے لیے بڑھتے مطالبے کے جواب میں تھے۔ مختلف ایکٹ (1909، 1919 اور 1935) ہندوستانیوں کے ذریعہ راست طور پر تشکیل یافتہ بحث و مباحثہ کے بعد

پاس نہیں ہوئے تھے۔ انھیں نوآبادیاتی حکومت کے ذریعہ ہی نافذ کیا گیا تھا۔ صوبائی اداروں کا انتخاب کرنے والے انتخابی حلقے کا دائرہ وقت کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا، لیکن 1935 میں یہ حق بالغ آبادی کے 15-10 فی صد حصے تک ہی محدود رہا۔ اس وقت تک عمومی بالغ رائے دہندگی نہ تھی۔ 1935 کے ایکٹ کے تحت منتخب شدہ قانون ساز ادارے نوآبادیاتی حکومت کے ڈھانچہ کے اندر ہی کام کر رہے تھے اور انگریزوں کے ذریعہ مامور کردہ گورنر کو جوابدہ تھے۔ 13 دسمبر 1946 کو نہرو جس بشارت کا خاکہ کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے وہ ایک آزاد، خودمختار جمہوری ہندوستان کے دستور کی بشارت تھی۔

بحث کیجیے

جواہر لعل نہرو نے قرارداد کے مقاصد کے بارے میں کیا منصوبے پیش کیے

3. حقوق کی خاکہ بندی (DEFINING RIGHTS)

شہریوں کے خصوصی حقوق کی خاکہ بندی کس طرح کی جائے؟ کیا مظلوم گروہوں کو کوئی مخصوص حقوق ملنے چاہئیں؟ اقلیتوں کے کیا حقوق ہوں؟ فی الحقیقت کن کی خاکہ بندی بطور اقلیت کی جاسکتی ہے؟ جوں جوں دستور ساز اسمبلی کے ایوان میں بحث و مباحثہ آگے بڑھا ویسے ہی یہ صاف ہو گیا کہ ان سوالات کا کوئی جواب نہیں جس پر اجتماعی طور پر اسمبلی متفق ہو۔ ان سوالات کے جوابات خیالات کے ٹکراؤ اور ذاتی تصادم کے ڈرامہ کے ذریعہ ہی تشکیل پاسکے۔ اپنی افتتاحی تقریر میں نہرو نے ''لوگوں کی خواہش'' کی دہائی دی اور واضح کیا کہ دستور بنانے والوں کو ''عوام کے دلوں میں پوشیدہ جذبات وشوق'' کو پورا کرنا ہے۔ یہ آسان کام نہ تھا۔ آزادی کی امید کے ساتھ مختلف گروہ اپنی خواہشات مختلف انداز میں ظاہر کر رہے تھے اور اپنے مطالبے پیش کر رہے تھے۔ ان سب پر بحث و مباحثہ ضروری تھا اور عمومی اتفاق رائے پر بتدریج آگے بڑھنے سے قبل باہم مخالف تصورات کے لیے مفاہمت لازمی تھی۔

3.1 جداگانہ انتخابی حلقوں کا مسئلہ

(The problem with separate electorates)

27 اگست 1947 کو مدراس کے بی۔ پوکر بہادر نے جداگانہ انتخابی حلقے مسلسل بنائے رکھنے کے لیے ایک مؤثر عذرخواہی پیش کی۔ بہادر نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقلیتیں ہر ملک میں پائی جاتی ہیں۔ ہم انھیں چاہتے ہوئے بھی دور نہیں کر سکتے، ہم ان کی ہستی کو مٹا نہیں سکتے۔ ضرورت ایک ایسا سیاسی ڈھانچہ بنانے کی ہے جس میں اقلیتیں دوسروں کے ساتھ ہم آہنگی سے رہ سکیں اور فرقوں کے درمیان اختلافات کو کم سے کم کیا جاسکے۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب سیاسی نظام کے اندر اقلیتوں کو مناسب نمائندگی دی جائے، ان کی آواز سنی جائے اور ان کے خیالات کا لحاظ رکھا جائے۔ صرف جداگانہ انتخابی حلقوں سے ہی یہ یقینی ہوگا کہ مسلمان ملک کی

© NCERT not to be republished

شکل 15.8
1946 کی سردیوں میں ہندوستانی لیڈران انگلینڈ کے وزیراعظم اٹیلی کے ساتھ تبادلۂ خیال کرنے لندن گئے تھے کئی دور کی یہ گفتگو بے نتیجہ ثابت ہوئی (بائیں سے دائیں: لیاقت علی، محمد علی جناح، بلدیو سنگھ اور پیتھک لارنس)

حکومت میں بامعنی رائے رکھتے ہیں۔ بہادر محسوس کرتے تھے کہ مسلمانوں کی ضرورتوں کو غیر مسلم مناسب انداز میں نہیں سمجھ سکتے، نہ ہی ان لوگوں کے ذریعہ مسلمانوں کی سچی نمائندگی ہوسکتی ہے جو اس فرقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔

جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے اس مطالبہ نے زیادہ تر قوم پرست لیڈروں کے درمیان غصہ اور اضطراب پیدا کردیا۔ بعدازاں جذبات پر مبنی بحث ومباحثہ میں اس مطالبہ کے خلاف دلائل کا ایک سلسلہ پیش کیا گیا۔ زیادہ تر قوم پرست جداگانہ انتخابی حلقوں کو انگریزوں کے ذریعہ لوگوں کو تقسیم کرنے کے لیے دانستہ متعارف اقدام کے طور پر دیکھتے تھے۔ آر۔ وی۔ دھولیکر نے بہادر سے کہا تھا "انگریزوں نے تحفظ کرنے کے نام کے تحت اپنا کھیل کھیلا۔ اس کی مدد سے انھوں نے ایک طویل جھوٹی تسلی دینے کے لیے تم (اقلیتوں) کو لبھایا تھا۔ اس کو اب چھوڑ دو......اب یہاں کوئی تم کو گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔

جداگانہ انتخابی حلقوں کا تصور تقسیم کی وجہ سے قوم پرستوں کے لیے شدت سے مخالفت کا سبب بنا۔ مسلسل خانہ جنگی، فسادات اور تشدد کا خوف ان کے ذہن میں عود کر آیا۔ سردار پٹیل نے واضح کیا کہ "جداگانہ انتخابی حلقے ایک زہر تھا جو ہمارے ملک کے سیاسی جسم میں داخل ہو چکا ہے۔" ایک ایسا مطالبہ تھا جس نے ایک فرقہ کو دوسرے فرقے کے خلاف کردیا۔ ملک تقسیم ہوگیا، خون افشانی کا سبب بنا اور ملک کی المناک تقسیم کے لیے وجہ بنا۔ پٹیل نے تاکید کی "کیا آپ اس ملک میں امن چاہتے ہیں؟ اگر چاہتے ہیں تو اسے (جداگانہ انتخابی حلقوں کو) دور ہٹاؤ۔"

ماخذ 3

"انگریز (عنصر) تو چلے گئے، لیکن اپنے پیچھے شرارت چھوڑ گئے"

("The British element is gone, but they have left the mischief behind")

سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کہا تھا:

یہ دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں کہ ہم جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے مانگ اس لیے کر رہے تھے کیونکہ یہ ہمارے لیے اچھا ہے۔ یہ بات ہم بہت عرصے سے سن رہے ہیں۔ ہم سالوں سے یہ سن رہے ہیں کہ اس احتجاج کے نتیجے میں اب ہم علاحدہ ملک ہیں......کیا آپ مجھے ایک بھی آزاد ملک دکھا سکتے ہیں جہاں جداگانہ انتخابی حلقے ہوں؟ اگر آپ مجھے دکھا دیں تو میں آپ کی بات ماننے کے لیے تیار ہوں، لیکن اس بدقسمت ملک میں حتیٰ کہ ملک کی تقسیم کے بعد بھی اس جداگانہ انتخابی حلقہ کو قائم اور جاری رکھا گیا تو ملک کی شامت آجائے گی، یہاں رہنے کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ یہ صرف میرے لیے ہی اچھا نہیں ہے بلکہ یہ آپ کے لیے بھی اچھا ہے، میں کہتا ہوں ماضی کو بھول جاؤ۔ ایک دن ہم متحد ہو سکتے ہیں....انگریز (عنصر) تو چلے گئے، لیکن اپنے پیچھے شرارت چھوڑ گئے۔ ہم اس شرارت کو دوام دینا نہیں چاہتے۔ (سنیے سنیے) جب انگریزوں نے یہ عنصر متعارف کرایا تھا تو انہیں یہ توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی جانا پڑے گا۔ وہ اپنے نظم ونسق کی آسانی کے لیے یہ چاہتے تھے۔ ٹھیک ہے، لیکن اب وہ اپنی وراثت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اب ہم اس سے باہر نکلیں گے یا نہیں؟

سی اے ڈی جلد V

جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے مطالبہ کا جواب دیتے ہوئے گووند ولبھ پنت نے واضح کیا کہ یہ نہ صرف ملک کے لیے بلکہ اقلیتوں کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ انھوں نے بہادر کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ جمہوریت کے تئیں مختلف طبقات کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے یقین کے ذریعہ ہی جمہوریت کی کامیابی کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی متفق تھے کہ ایک آزاد ریاست میں ہر شہری کے ساتھ ایسے انداز میں پیش آنا چاہیے جس سے نہ صرف اس کی مادی ضروریات بلکہ عزت نفس کے روحانی شعور سے بھی وہ مطمئن ہوجائے اور اکثریتی طبقہ کا فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرے اور ان کی خواہشات کے ساتھ ذہنی ہمدردی سے کام لے۔ تاہم پنت جداگانہ انتخابی حلقوں کے تصور کی مخالفت کررہے تھے۔ ان کی دلیل تھی کہ یہ ایک خودکشی پر مائل مطالبہ تھا، جو اقلیتوں کو مستقل بنیادوں پر جُدا کردے گا، انھیں عاجز بنادے گا اور حکومت کے اندر انھیں کسی طرح کی مؤثر شرکت نہیں مل پائے گی۔

ماخذ 4

''میرا یقین ہے کہ جداگانہ انتخابی حلقے اقلیتوں کے لیے خودکشی پر مائل ثابت ہوں گے''
("I believe separate electorates will be suicidal to the minorities")

27 اگست 1947 کو بحث ومباحثہ کے دوران گووند ولبھ پنت نے کہا تھا:

میرا یقین ہے کہ جداگانہ انتخابی حلقے اقلیتوں کے لیے خودکشی پر مائل ثابت ہوں گے اور انھیں زبردست نقصان ہوگا۔ اگر انھیں ہمیشہ کے لیے جُدا کردیا گیا تو وہ کبھی خود کو اکثریت میں تبدیل نہیں کرسکیں گے، اور یہاں کہ انھیں بالکل شروع سے ہی محرومی ومایوسی کا احساس اپاہج بنادے گا۔ کیا یہ آپ کی خواہش ہے اور ہمارا حتمی مقصد کیا ہے؟ کیا اقلیتیں ہمیشہ اقلیتیں ہی بنی رہنا چاہتی ہیں یا وہ ایک عظیم ملک کا جزو لازم بننا اور اس کی قسمت کو راہ دکھانے اور کنٹرول کرنے کی توقع رکھنا چاہتی ہیں؟ اگر وہ بقیہ فرقے سے الگ رہتی ہیں، اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو وہ ہمیشہ اس خواہش اور نصب العین کو حاصل کرسکتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر انھیں بقیہ فرقے سے علاحدہ کیا جاتا ہے اور ایک ہوابند گوشے میں الگ رکھا جاتا ہے جہاں انھیں زندہ رہنے کے لیے ہوا پر بھی حتی کہ دوسروں پر بھروسہ کرنا پڑے گا تو یہ ان کے لیے انتہائی خطرناک ہوگا...... اگر اقلیتیں جداگانہ انتخابی حلقوں سے منتخب ہوتی رہیں تو کبھی بھی کوئی مؤثر رائے نہیں بن سکتیں۔

سی اے ڈی، جلد دوم

ماخذ 3 اور 4 کو پڑھیے۔ جداگانہ انتخابی حلقوں کے خلاف کون کون سے مختلف دلائل پیش کیے گئے۔

© NCERT not to be republished

ان تمام دلائل کے پیچھے ایک متحدہ ریاست کی تشکیل کی تشویش وابستہ تھی بغرض سیاسی اتحاد تعمیر کرنے اور ملک بنانے کے لیے ہر فرد کو ریاست کے شہری کے طور پر ڈھالنا ضروری تھا۔ ہر گروہ کو ملک کے اندر ضم کرنا لازمی تھا۔ آئین شہریوں کو حقوق عطا کرے گا لیکن شہریوں کو بھی ریاست کے تئیں اپنی دفاداری پیش کرنی ہوگی۔ فرقوں کو بحیثیت ثقافتی انفرادیت کے تسلیم کیا جاسکتا ہے اور ثقافتی حقوق کی یقین دہانی دی جاسکتی ہے تاہم سیاسی طور پر تمام فرقوں کے ممبران کو ریاست کے مساوی ممبران کے طور پر کام کرنا ہوگا ورنہ ان کی وفاداریاں تقسیم ہوجائیں گی۔ پنت نے کہا کہ اس لحاظ سے یہ مخرب اخلاق اور کسی حد تک ذلیل وخوار کرنے والی عادت ہے کہ ہم کبھی بھی ایک شہری کے طور پر نہیں سوچتے اور ہمیشہ ایک فرقے کے طور پر ہی سوچتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا ''ہمیں یادرکھنا چاہیے کہ'' یہ شہریت ہی ہے جو ہمیشہ شمار ہوتی ہے یہ شہریت ہی ہے جو سماجی اہرام کی بنیاد بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ چوٹی بھی ہے''، حتی کہ جب جماعتی حقوق (Community Rights) کی اہمیت کو تسلیم کیا جارہا تھا اس وقت بہت سے قوم پرستوں میں موہوم سا خوف موجود تھا کہ یہ دفاداریوں کی تقسیم کی بنیاد بن سکتا ہے اور یہ ایک مضبوط ملک اور طاقتور ریاست کو تعمیر کرنا مشکل کرسکتا ہے۔

سارے مسلمان جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے مطالبہ کی حمایت نہیں کررہے تھے۔ مثال کے طور پر بیگم اعجاز رسول محسوس کرتی تھیں کہ جداگانہ انتخابی حلقے مائل بہ خودکشی ثابت ہوں گے چونکہ وہ اقلیتوں کو اکثریت سے الگ کردیں گے۔ 1949 تک دستور ساز اسمبلی کے زیادہ تر مسلم ممبران اس بات پر متفق ہوگئے کہ جداگانہ انتخابی حلقے اقلیتوں کے مفادات کے خلاف ہیں۔ اس کے بجائے مسلمانوں کو سیاسی عمل میں سرگرم حصہ لینے کی ضرورت ہے جو سیاسی نظام میں ان کی فیصلہ کن رائے کو یقینی بنائے۔

3.2 ''اس قرارداد کی بجائے ہمیں زیادہ کی ضرورت ہے'' ("We will need much more than this Resolution")

اگرچہ ''اہداف قرارداد'' کا استقبال کرتے ہوئے ایک سوشلسٹ این۔ جی۔ رنگا نے جو کسان تحریک کے لیڈر تھے اصرار کیا کہ اصطلاح اقلیت کی ترجمانی معاشی اصطلاح میں ہونی چاہیے۔ رنگا کے لحاظ سے اصلی اقلیتیں غریب اور ظلم واستبداد کے شکار لوگ تھے۔ انھوں نے اس بات کا استقبال کیا کہ دستور میں ہر فرد کے لیے قانونی حقوق دیے جارہے ہیں لیکن انھوں نے اس کی محدودات کو بھی نشان زد کیا تھا۔ اس رائے میں گاؤں میں غریب لوگوں کے لیے یہ جاننا بے معنی تھا

ماخذ 5

''منقسم وفاداری کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوسکتی'' ("There cannot be any divided loyalty")

گووند ولبھ پنت نے دلیل دی کہ وفادار شہری بننے کے تعلق سے لوگوں کو صرف فرقہ اور خود پر مرکوز سوچنے کا عمل بند کرنا ہوگا:

جمہوریت کی کامیابی کے لیے فرد کو خود ضبط نفس میں تربیت لینی ہوگی۔ جمہوریت میں فرد کو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے زیادہ فکر کرنی ہوگی، منقسم وفاداری کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوسکتی۔ تمام طرح کی وفاداریاں ریاست کے اردگرد مرکوز ہونی چاہئیں۔ اگر جمہوریت میں آپ حریف وفاداریاں پیدا کریں یا آپ ایک ایسا نظام بنادیں جس میں کوئی فرد یا گروہ اپنے اسراف پر روک لگانے کے بجائے وسیع یا دیگر مفادات کے لیے کچھ پرواہ نہیں کرے تو پھر جمہوریت کا انجام دہشت ناک ہے۔

سی اے ڈی، جلد دوم

جی۔ بی۔ پنت ایک وفادار شہری کی خصوصیت کی کس طرح توضیح کرتے ہیں؟

© NCERT not to be republished

کہ ان کے پاس زندہ رہنے کے لیے، مکمل روزگار کے لیے بنیادی حق ہے۔ وہ اپنے جلسے، کانفرنسیں کر سکتے ہیں، اپنی تنظیم بنا سکتے ہیں اوران کے پاس دیگر شہری آزادیاں بھی ہیں۔ یہ ضروری تھا کہ ایسے حالات پیدا کیے جائیں جہاں عوام دیے گئے ان دستوری حقوق سے مؤثر ڈھنگ سے استفادہ کرسکیں۔ اس کے لیے انھیں تحفظ کی ضرورت تھی۔ رنگا نے کہا ''انھیں سہاروں کی ضرورت ہے، انھیں زینہ کی ضرورت ہے''

ماخذ 6

''اصلی اقلیتیں اس ملک کے عوام ہیں'' ("The real minorities are the masses of this country")

جواہر لعل نہرو کے ذریعہ پیش کی گئی اہداف قرارداد کا استقبال کرتے ہوئے این۔ جی۔ رنگا نے کہا تھا:
جناب، یہاں اقلیتوں کے متعلق بہت باتیں ہوئی ہیں۔ اصلی اقلیتیں کون ہیں؟ نام نہاد پاکستان کے صوبوں میں رہنے والے ہندو، سکھ اور حتی کہ مسلمان بھی اقلیت نہیں ہیں۔ نہیں جناب اصلی اقلیتیں اس ملک کے عوام ہیں۔ یہ لوگ اب تک اتنے پریشان، مظلوم ومحکوم اور دبے کچلے ہیں کہ وہ عام شہری حقوق کا فائدہ اٹھانے کے بھی اہل نہیں ہیں۔ حالت کیا ہے؟ آپ قبائلی علاقوں میں جائیے۔ قانون کے مطابق، ان کے اپنے روایتی قانون، ان کے قبائلی قانون ان کی زمینوں سے خارج نہیں کر سکتے۔ تاہم ہمارے تاجر وہاں جاتے ہیں اور نام نہاد آزاد بازار کے نام پر ان کی زمین چھین لینے کے اہل ہیں۔ اس طرح گو کہ قانون ان کی زمینوں کے ایسے چھیننے کے خلاف جاتا ہے۔ ابھی تک تاجر اس بات کے اہل ہیں کہ وہ قبائلی لوگوں کو مختلف قسم کے معاہدوں کے ذریعہ صحیح معنی میں غلام بنا لیتے ہیں۔ آیئے اب عام گاؤں والوں کی طرف چلتے ہیں۔ یہاں تاجر اپنی دولت کے ساتھ جاتا ہے اور وہ گاؤں والوں کو اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے۔ یہاں بذات خود زمین مالکان، زمین دار اور مال گزار موجود ہیں اور مختلف قسم کے دیگر لوگ ہیں جو ان غریب گاؤں والوں کا استحصال کرنے کے اہل ہیں۔ یہاں ان لوگوں میں بنیادی تعلیم بھی نہیں ہے۔ یہی اصلی اقلیت ہیں جنھیں تحفظ اور اس کی یقین دہانی کی ضرورت ہے۔ ان لوگوں کو لازمی تحفظ دینے کے نام پر ہمیں اس قرارداد سے کہیں زیادہ کرنے کی ضرورت ہوگی....

سی اے ڈی۔ جلد دوم

رنگا کے ذریعہ اقلیت کے تصور کی توضیح کس طرح کی گئی ہے؟

رنگا نے ہندوستانی عوام اور دستور ساز اسمبلی میں ان کے نمائندہ کے طور پر بولنے کا دعوی کرنے والے افراد کے بیچ موجود خلیج جو وسیع طور پر علاحدہ کرتی ہے، کی طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کرائی:

ہم کن لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں؟ ہمارے ملک کے عام عوام اور اس کے باوجود ہم میں سے زیادہ تر لوگ بذات خود اس عوام سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہم ان کے ہیں، ہم ان کے لیے نمائندگی کرنا چاہتے ہیں لیکن عوام بذات خود دستور اسمبلی میں آنے کے اہل نہیں ہے، اس میں ابھی وقت لگ سکتا ہے، ان کی پرزور حمایت کرنے والوں کے طور پر ہم ان کے لیے آواز اٹھانے کی اپنی بہترین کوششیں کر رہے ہیں۔

رنگا کے ذریعہ مذکورہ گروہوں میں قبائل بھی ایک تھے، اسمبلی کے لیے ان نمائندوں میں غیر معمولی طور پر ذہین مقرر جے پال سنگھ تھے۔ اہداف قرارداد کا استقبال کرتے ہوئے جے پال سنگھ نے کہا تھا۔

ایک آدی واسی کے بطور، میں اس قرارداد کی قانونی پیچیدگیوں کی فہم کی امید نہیں رکھتا، لیکن میری عام سمجھ بوجھ کہتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص کو آزادی کے اس راستے پر چلنا چاہیے اور مل کر لڑنا چاہیے۔ جناب اگر یہاں ہندوستانی لوگوں کا کوئی گروہ ہے جس کے ساتھ سوقیانہ سلوک کیا گیا ہے تو وہ میرے لوگ ہیں۔ ان سے گذشتہ 60,000 سالوں سے ذلت آمیز سلوک کیا گیا ہے اور انھیں نظر انداز کیا گیا ہے..... میرے لوگوں کی پوری تاریخ ہندوستان کے غیر حقیقی باشندوں کے ذریعہ مسلسل استحصال اور بے دخلی کی تاریخ ہے، بغاوتوں اور انتشار کے ذریعہ یہ سلسلہ ٹوٹا ہے۔ تاہم میں پنڈت جواہر لعل نہرو کے الفاظ سمجھ گیا۔ میں آپ سب کی بات سمجھ گیا کہ اب ہم نیا باب شروع کرنے جا رہے ہیں۔ آزاد ہندوستان کا ایک باب جہاں مواقع کے مساوی امکان ہوں گے جہاں کوئی بھی فرد نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔

سنگھ نے واضح انداز میں قبائل کے تحفظ اور ان حالات کو یقینی بنانے کے لیے جو عام آبادی کی سطح تک لانے میں معاون ہو سکتے ہیں، کی ضرورت پر تقریر کی۔ انھوں نے دلیل دی کہ قبائل اعدادی بنیاد پر اقلیت نہیں تھے لیکن انھیں تحفظ کی ضرورت ہے۔ انھیں زمین سے بے دخل کر دیا گیا جہاں وہ مقیم تھے۔ انھیں ان کے جنگلات اور چراگاہوں سے محروم کر دیا گیا اور نئے گھروں کی تلاش میں حرکت کرنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ انھیں قدیم دور کا (غیر ترقی یافتہ) اور پسماندہ کی طرح دیکھتے ہوئے بقیہ سماج نے ان سے رخ موڑ لیا اور ٹھکرا دیا۔ انھوں نے جذباتی اور مادی فاصلہ جو قبائلی کو بقیہ سماج سے علاحدہ کرتا ہے کو توڑنے کے لیے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا "ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ آپ کو ہمارے ساتھ ربط ضبط رکھنا چاہیے۔ ہم آپ کے ساتھ ربط ضبط رکھنے کے خواہش مند ہیں..... سنگھ جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے نہیں کہہ رہے تھے لیکن وہ محسوس کرتے تھے کہ قانون ساز اداروں میں قبائلیوں کو بذات خود نمائندگی کے لیے سیٹوں کو محفوظ کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ قبائلیوں کی آواز سننے کے لیے دوسروں کو ان کے قریب آنے کے لیے مجبور کرنے کے لیے یہ ایک راستہ ہوگا۔

3.3 "ہم ہزاروں سال سے دبے کچلے تھے" ("We were suppressed for thousands of years")

دستور کے ذریعہ پسماندہ ذاتوں کے حقوق کی توضیح کس طرح کی جائے؟ قومی تحریک کے دوران امبیڈکر نے پسماندہ ذاتوں کے لیے جداگانہ انتخابی حلقوں کا مطالبہ کیا تھا اور گاندھی جی نے یہ دلیل دیتے ہوئے اس مطالبہ کی مخالفت کی تھی کہ یہ مطالبہ ہمیشہ کے لیے بقیہ سماج سے پسماندہ ذاتوں کو علاحدہ کردے گا۔ دستور ساز اسمبلی اس مخالفت کو کس طرح حل کرسکتی تھی؟ پسماندہ ذاتوں کو کس قسم کا تحفظ مہیا کرایا جاسکتا تھا؟

پسماندہ ذاتوں کے چند ممبران نے اصرار کیا کہ اچھوتوں کا مسئلہ صرف تحفظ اور حفظ ماتقدم کے ذریعہ ہی حل نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی مجبوری ولاچاری، سماجی معیارات اور ذات پات پر مبنی سماج اخلاقی اقدار کے سبب تھی۔ سماج نے ان کی خدمات اور محنت کا استعمال تو کیا ہے لیکن اس سے ایک سماجی فاصلہ برقرار رکھا ہے، ان کے ساتھ ربط ضبط یا ان کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کرتے ہیں یا ان کو مندروں میں داخل ہونے نہیں دیا جاتا۔ مدراس سے تعلق رکھنے والے ممبر جے ناگپا نے کہا تھا: ہم ہمیشہ تکلیف اٹھاتے رہے لیکن اب مزید تکلیف اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح سمجھ لی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم کو کس طرح اصرار کرنا ہے۔"

ناگپا نے نشاندہی کی کہ اعدادی بنیاد پر پسماندہ ذاتیں اقلیت نہیں ہیں: وہ کل آبادی کو 20 اور 25 فی صد کے درمیان تشکیل کرتے ہیں۔ ان کی تکلیف کا سبب منظم طریقے پر حاشیہ پر رکھنا تھا نہ کہ ان کی اعدادی بے اہمیت تھی۔ ان کے پاس نہ تو تعلیم تک رسائی تھی نہ ہی انتظامیہ میں حصہ داری۔ مرکزی صوبہ جات کے ممبر کے۔ جے۔ کھانڈیکر نے اسمبلی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا:

> ہم ہزاروں سال سے دبے کچلے تھے...... دبایا گیا...... اس حد تک دبایا گیا کہ نہ ہی ہمارا دماغ اور نہ ہی ہمارے جسم اور اب حتیٰ کہ ہمارے دل بھی کام نہیں کرتے، نہ ہی ہم آگے بڑھنے کے قابل رہ گئے ہیں۔ یہ ہے حالت ہماری۔

تقسیم ملک کے تشدد کے بعد، امبیڈکر نے بھی جداگانہ انتخابی حلقوں کے لیے دلیل دینا بند کردی۔ دستور ساز اسمبلی نے بالآخر یہ سفارش کی کہ چھوت چھات کو ختم کیا جائے۔ ہندو مندروں کو تمام ذاتوں کے لوگوں کے لیے کھول دیا جائے اور نچلی ذاتوں کے افراد کے لیے قانون ساز اداروں اور سرکاری دفاتر میں نوکریوں میں نشستیں محفوظ کی جائیں۔ بہت سے لوگوں کا ماننا تھا کہ

ماخذ 7

"ہم اپنی سماجی مجبوری ولاچاری کو ہٹانا چاہتے ہیں" ("We want removal of our social disabilities")

مدراس کی دکشیانی ویلایودھن نے دلیل دی:
ہم کو ہر قسم کے حفظ ماتقدم نہیں چاہئیں۔ یہ اخلاقی حفظ ماتقدم ہے جو اس ملک کے ستم رسیدہ لوگوں کو تحفظ دے گا...... میں یہ ماننے سے انکار کرتی ہوں کہ سات کروڑ ہریجنوں کو ایک اقلیت تسلیم کیا جائے ..... ہم چاہتے ہیں کہ ہماری سماجی مجبوری ولاچاری کو فوراً ختم کیا جائے۔

© NCERT not to be republished

اس سے بھی تمام مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ سماجی تفریق کو صرف آئینی قوانین کے ذریعہ نہیں مٹایا جا سکتا، اس کے لیے سماج کے اندر رویوں میں تبدیلی لانی ہوگی، لیکن جمہوری عوام کے ذریعہ ان اقدامات کا خیر مقدم کیا گیا۔

ماخذ 8

''ہم نے کبھی بھی خصوصی مراعات نہیں مانگیں''
(We have never asked for privileges)

بمبئی کی ہنسا نے مہتہ خواتین کے لیے انصاف کا مطالبہ کیا اور محفوظ سیٹوں یا جداگانہ انتخابی حلقہ کا مطالبہ نہیں کیا:

ہم نے کبھی بھی خصوصی مراعات نہیں مانگیں ہم نے سماجی انصاف، معاشی انصاف اور سیاسی انصاف کے لیے مطالبہ کیا ہے ہم نے اس برابری کا مطالبہ کیا ہے جس سے صرف باہمی عزت اور فہم کی بنیاد بن سکتی ہے جس کی بنا پر مرد اور عورت کے درمیان حقیقی باہمی تعاون ممکن نہیں ہے۔

بحث کیجیے

وہ مختلف دلائل کیا تھے جو جے پال سنگھ نے قبائلوں کے لیے تحفظ جاتی اقدامات کا مطالبہ کرتے ہوئے پیش کیے تھے؟

4. ریاست کے اختیارات
(THE POWERS OF THE STATE)

دستور ساز اسمبلی میں نہایت قوی اور فعال بحث ومباحثہ کے موضوعات میں ایک موضوع مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے حقوق کے متعلق تھا۔ جو لوگ مضبوط مرکزی حکومت کے قائل تھے ان میں جواہر لعل نہرو بھی تھے جیسا کہ انھوں نے دستور ساز اسمبلی کے صدر کے نام لکھے خط میں واضح کیا تھا ''اب جب تقسیم ملک ایک طے شدہ حقیقت ہے......ایک کمزور مرکزی اقتدار ملک کے مفادات کے لیے نقصان دہ ہوگا جو امن وامان کو یقینی بنانے، مشترکہ عام اندیشوں کے ناگزیر معاملات کو ہم آہنگ کرنے اور بین الاقوامی دائرۂ عمل میں پورے ملک کے لیے موثر طور پر آواز اٹھانے میں نااہل ہوگا۔''

دستور کے مسودہ میں موضوعات کی تین فہرست تیار کی گئی تھی۔ مرکزی (Union)، ریاستی اور باہم مربوط (Concurrent)۔ پہلی فہرست کے موضوع مرکزی حکومت کے لیے محفوظ کیے گئے تھے جب کہ دوسری فہرست میں موضوع ریاستوں کے اختیار سے متعلق تھے۔ تیسری فہرست مرکز اور ریاست کی مشترکہ ذمہ داری کی بابت تھی۔ تاہم دیگر وفاقوں (Federations) کے مقابلے میں بہت زیادہ شقیں بلاشرکت غیرے مرکزی کنٹرول کے تحت رکھی گئی تھیں۔ صوبوں کی خواہشات کے مقابلے باہم مربوط فہرست میں بھی بہت زیادہ شقیں رکھی گئی تھیں۔ معدنیات اور کلیدی صنعتوں کا کنٹرول بھی مرکز کے پاس تھا۔ مزید برآں دفعہ 356 کے تحت گورنر کی سفارش پر مرکز کو ریاست کے نظم ونسق کو ہاتھ میں لینے کا اختیار دیا گیا تھا۔

© NCERT not to be republished

مالیاتی وفاق پسندی کے پیچیدہ نظام کے لیے بھی دستور اختیار دیتا ہے۔ بعض معاملے میں (مثال کے طور پر کسٹم ڈیوٹی اور کمپنی ٹیکسوں) ٹیکسوں سے حاصل ہونے والی ساری رقم مرکز اپنے پاس رکھے گا۔ دوسرے معاملوں میں (جیسے آمدنی ٹیکس اور آبکاری ٹیکس) یہ آمدنی ریاستوں کے ساتھ تقسیم کر دی گئی۔ مزید دیگر معاملوں میں (مثلاً متروکہ املاک پر لگایا جانے والا ٹیکس) پوری آمدنی ریاستوں کو تفویض کر دی گئی تھی۔ اس دوران ریاستیں اپنے طور پر معین ٹیکس عائد کر سکتی تھیں اور وصول کر سکتی تھیں۔ ان میں زمین اور ملکیت ٹیکس، فروخت ٹیکس اور بوتل بند شراب پر غیر معمولی منافع شامل ہیں۔

4.1 ''مرکز منتشر ہو سکتا ہے''

("The centre is likely to break")

ریاستوں کے حقوق کا سب سے زیادہ واضح دفاع مدراس کے ممبر کے۔ سانتھانم نے کیا تھا۔ انھوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف ریاستوں بلکہ مرکز کو بھی مضبوط بنانے کے لیے اختیارات کو از سر نو تقسیم کرنا ضروری تھا ''یہاں تقریباً ایک خیال ذہن پر طاری ہو گیا ہے کہ تمام قسم کے اختیارات کا اضافہ کرنے کے ذریعہ ہم مرکز مضبوط بنا سکتے ہیں''۔ سانتھانم نے کہا کہ یہ غلط تصور تھا اگر مرکز ذمہ داریوں کے ساتھ زیادہ زیر بار تھا تو یہ مؤثر ڈھنگ سے کام نہیں کر سکتا۔ اس کے کچھ امور میں ذمہ داری کا بوجھ کم کرنے سے اور ریاستوں کو منتقل کر دینے سے فی الحقیقت مرکز کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔

جہاں تک ریاستوں کا تعلق ہے سانتھانم نے محسوس کیا کہ اختیارات کا مجوزہ طور پر مختص کرنا ان کو اپاہج بنا دے گا۔ مالیاتی شقیں (انتظام) صوبوں کو مفلس بنا دیں گی۔ چونکہ زمین مال گزاری کے علاوہ زیادہ تر ٹیکس مرکز کے لیے محفوظ کر دیے گئے تھے۔ بغیر مالیات کے ریاستیں ترقی کے منصوبوں کا بیڑا کس طرح اٹھا سکتی ہیں؟ ''میں ایسا کوئی دستور نہیں چاہتا جس میں اکائی کو آ کر مرکز سے یہ کہنا پڑے کہ میں اپنے لوگوں کو تعلیم یافتہ نہیں بنا سکتا، میں انھیں کچرے اور گندے پانی کی نکاسی کا انتظام نہیں دے سکتا، مجھے سڑکوں کی اصلاح کے لیے، صنعتوں کے قیام کے لیے وظیفہ دے دیجیے۔ بہتر ہوگا کہ ہم وفاقی نظام کو نیست و نابود کریں اور اکائی والا نظام اختیار کریں'' سانتھانم نے پیشن گوئی کی کہ اگر اختیارات کی مجوزہ تعلیم بغیر مزید تنقیدی نظر کے اختیار کی گئی تو مستقبل تاریک ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ چند سالوں میں سارے صوبے ''مرکز کے خلاف بغاوت'' میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ماخذ 9

بہتر محب وطن کون ہے؟
(Who is a better patriot?)

میسور کے سرائے۔ داما سوامی مدالیار نے 21 اگست 1947 کے بحث و مباحثہ کے دوران کہا تھا:

اگر ہم ایک مضبوط مرکز کی تجویز اس لیے کرتے ہیں کہ ہم بہتر محب وطن ہیں اور یہ بات ہم اپنی روح کی خوشامدانہ تسکین کے لیے پیش نہیں کرتے اور وہ جو ان وسائل کی نہایت قوی اور فعال جانچ کی وکالت کرتے ہیں ان لوگوں میں قومی جذبے یا حب الوطنی کا فقدان ہے۔

صوبوں کے بہت سے دیگر ممبران بھی اس طرح کے خوف کی بازگشت سے پریشان تھے۔ انھوں نے جان توڑ کوشش کی کہ باہم مربوط اور یونین فہرستوں میں قلیل تعداد میں شقیں رکھی جائیں۔ اڑیسہ کے ایک ممبر نے خبر دار کیا کہ ''مرکز منتشر ہو جائے گا'' چونکہ دستور کے تحت اختیارات بافراط مرتکز کر دیے گئے تھے۔

4.2 ''آج ہمیں ایک طاقتور حکومت کی ضرورت ہے'' ("What we want today is a strong Government")

صوبوں کے لیے زیادہ اختیارات کی بابت دلائل نے اسمبلی کے اندر سخت ردعمل کے لیے اکسایا۔ دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کی شروعات سے لے کر اب تک متعدد مواقع پر ایک مضبوط مرکز کی ضرورت کے لیے توجہ مبذول کرائی گئی۔ امبیڈکر نے اعلان کیا کہ وہ ''ایک مضبوط اور متحدہ مرکز (سنیے سنیے) ہم 1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت بنائے گئے مرکز کے مقابلے زیادہ مضبوط مرکز'' چاہتے ہیں۔ فسادات اور تشدد جس نے ملک کے ٹکڑے کر دیے تھے کی یاددہانی کراتے ہوئے بہت سے ممبران نے بار بار یہ کہا تھا کہ مرکز کے اختیارات کو بڑی حد تک مضبوط کرنا چاہیے تا کہ وہ فرقہ وارانہ غیظ وغضب کو روکنے کا اہل ہو۔ صوبوں کے لیے اختیارات کے مطالبات پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے گوپال سوامی اینگر نے اعلان کیا تھا کہ ''مرکز کو جتنا مضبوط بنانا ممکن ہوسکتا ہے اتنا مضبوط بنانا ہوگا''۔ متحدہ صوبہ جات کے ایک ممبر بال کرشن شرما نے استدلالی پیرایہ میں تفصیلات پیش کرتے ہوئے کہا کہ صرف ایک مضبوط مرکز ہی ملک کی آسودگی کے لیے منصوبہ بنا سکتا ہے، دستیاب معاش وسائل کو منظّم کر سکتا ہے، درست نظم ونسق قائم کر سکتا ہے اور غیر ملکی حملے کے خلاف ملک کا دفاع کر سکتا ہے۔

تقسیم ملک سے قبل کانگریس نے صوبوں کو معقول خودمختاری دینے پر اتفاق کیا تھا۔ یہ کسی قدر مسلم لیگ کو اطمینان دلانے کی کوشش تھی کہ جہاں مسلم لیگ اقتدار میں آئے گی ان صوبوں کے اندر دخل اندازی نہیں کی جائے گی۔ تقسیم ملک کے بعد زیادہ تر قوم پرستوں نے اپنا موقف تبدیل کر دیا تھا کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ لامرکزیہ ساخت (Decentralised Structure) کے لیے پہلے جیسے سیاسی دباؤ یہاں نہیں رہ گئے تھے۔

نوآبادیاتی حکومت کے ذریعہ نافذ اکائی والا نظام یہاں پہلے سے ہی موجود تھا۔ اس زمانے کے تشدد کے واقعات نے مرکزیت کو مزید آگے بڑھایا، اسے اب انتشار و بدنظمی پر پیشگی روک تھام کرنے اور ملک کی معاشی ترقی کا منصوبہ بنانے کے لیے ضروری طور پر دیکھا جانے لگا۔

بحث کیجیے

ایک مضبوط مرکز کی وکالت کرنے والے لوگوں کے ذریعہ کون سے مختلف دلائل پیش کیے گئے تھے؟

© NCERT not to be republished

اس طرح دستور، ہندوستانی یونین (مرکز) کا اپنی رکن ریاستوں پر حقوق کی بابت یقینی تعصب کو ظاہر کرتا ہے۔

5. ملک کی زبان

جب ملک کے مختلف علاقوں میں لوگ مختلف زبانیں بولتے ہوں، اور ہر زبان کے ساتھ اس کی اپنی ثقافتی وراثت وابستہ ہو تو پھر ایک ملک کس طرح تعمیر کیا جاسکتا ہے؟ کس طرح لوگ ایک دوسرے کو سن سکتے ہیں یا ایک دوسرے سے جڑ سکتے ہیں اگر وہ ایک دوسرے کی زبان سے بھی واقف نہ ہوں؟ دستور ساز اسمبلی کے اندر کئی مہینوں تک زبان کے مسئلے پر بحث ہوئی تھی اور اکثر شدید قسم کے دلائل وجود میں آئے۔

1930 کی دہائی تک کانگریس نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ ہندوستانی کو قومی زبان بنانا چاہیے۔ گاندھی جی نے محسوس کیا کہ ہر ایک شخص کو ایسی زبان میں بات چیت کرنی چاہیے جس کو عام آدمی آسانی کے ساتھ سمجھ سکے۔ ہندوستانی۔ہندی اور اردو کا ایک آمیزہ۔ ہندوستان کے لوگوں کے ایک بڑے حصے کی مقبول زبان تھی اور یہ مختلف ثقافتوں کے باہمی تعامل کے ذریعہ مالا مال مخلوط زبان تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ مختلف طرح کے ماخذوں سے الفاظ اور اصطلاحات شامل ہوتی گئیں اور اس لیے مختلف علاقے کے لوگ سمجھنے لگے تھے۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ مختلف النوع فرقوں اور طبقات کے درمیان ترسیل کی مثالی زبان بن جائے گی، یہ ہندو اور مسلمان کو اور شمال و جنوب کے لوگوں کو متحد کرسکتی ہے۔

تاہم انیسویں صدی کے آخر سے زبان ــ بطور ہندوستانی بتدریج تبدیل ہو رہی تھی۔ جوں جوں فرقہ وارانہ تنازعات شدید ہو رہے تھے ہندی اردو ایک دوسرے سے دور ہونا شروع ہوگئیں تھیں۔ ایک طرف فارسی اور عربی اصل کے تمام الفاظ کو خارج کرکے ہندی کو سنسکرت زدہ بنانے کی کوشش کی جارہی تھی دوسری طرف اردو متواتر فارسی زدہ بنائی جارہی تھی۔ اس کے نتیجہ میں زبان مذہبی شناخت کی سیاست کے ساتھ وابستہ ہوتی گئی۔ تاہم گاندھی جی کا ہندوستانی کے مخلوط کردار میں یقین بنا رہا۔

5.1 ہندی کے لیے دلیل (A plea for Hindi)

دستور ساز اسمبلی کے ایک ابتدائی اجلاس میں متحدہ صوبہ جات کے ایک کانگریس ممبر آر۔ وی۔ دھولیکر نے ایک جارحانہ دلیل دی کہ ہندی کو بحیثیت دستوری تشکیل کی زبان کے طور پر استعمال کیا جائے۔ جب کسی نے کہا کہ اسمبلی میں ہر ایک یہ زبان نہیں جانتا تو دھولیکر نے برجستہ جوابی فقرہ کہا

ماخذ 10

قومی زبان کی کیا خصوصیات ہونی چاہیں؟
(What should the qualities of a national language be ?)

اپنی موت سے کچھ ماہ قبل مہاتما گاندھی نے زبان کے سوال پر اپنے نظریات دوہراتے ہوئے کہا تھا:

یہ ہندوستانی نہ تو سنسکرت زدہ ہندی ہونی چاہیے اور نہ ہی فارسی زدہ اردو لیکن دونوں کا ایک خوشگوار آمیزہ ہونا چاہیے۔ اسے جہاں کہیں بھی ضروری لگے مختلف علاقائی زبانوں کے الفاظ بھی بے تکلفانہ داخل کرلینے چاہیے۔ اور غیر ملکی زبانوں سے بھی الفاظ جذب کرلینے چاہیں جو آسانی اور بہتر انداز میں ہماری قومی زبان کے ساتھ گھل مل سکیں اس طرح ہماری قومی زبان ایک غنی اور طاقتور آلے کی طرح یقیناً ترقی پذیر بن جائے گی جو انسانی خیالات اور جذبات کے مکمل دائرہ کا اظہار کرنے کی اہل ہوگی۔ خود کو ہندی یا اردو کے ساتھ محدود کرلینا فہم وفراست اور حب الوطنی کے جذبہ کے خلاف ایک جرم ہوگا۔

ہریجن سیوک، 12 اکتوبر 1947

''اس ایوان میں جو لوگ ہندوستان کے لیے ایک دستور وضع کرنے کے لیے موجود ہیں اور ہندوستانی نہیں جانتے وہ اس اسمبلی کے ممبران بننے کے لائق نہیں ہیں ان کے لیے یہاں سے چلے جانا اچھا ہوگا''۔ جب اس تبصرہ سے افراتفری پھوٹ پڑی تو دھولیکر نے ہندی میں اپنی تقریر جاری رکھی۔ اس موقع پر جواہر لعل نہرو کی دخل اندازی کے ذریعہ ایوان میں امن بحال ہو پایا، لیکن زبان کا مسئلہ مسلسل آنے والے تین سال تک اسمبلی کی کاروائی میں خلل ڈالتا رہا اور ممبران کو مشتعل کرتا رہا۔

تقریباً تین سال بعد 12 ستمبر 1947 کو ملک کی زبان پر دھولیکر کی تقریر نے ایک بار پھر ایک بڑا طوفان پیدا کر دیا۔ اب تک دستور ساز اسمبلی کی زبان سے متعلق کمیٹی (Language Committee) اپنی رپورٹ پیش کر چکی تھی اور جو لوگ قومی زبان کے طور پر ہندی کی وکالت کر رہے تھے اور جو اس کی مخالفت کرتے تھے ان کے درمیان تعطل ختم کرنے کے لیے تصفیہ کا ایک فارمولہ سوچ لیا تھا۔ اس نے طے کیا تھا لیکن ابھی تک رسمی طور پر اعلان نہیں کیا تھا کہ دیوناگری رسم الخط میں تحریر ہندی ہندوستان کی سرکاری زبان ہوگی لیکن ہندی کی طرف منتقلی بتدریج ہوگی۔ شروع کے پندرہ سالوں کے لیے، تمام سرکاری مقاصد (کام کاج) کے لیے انگریزی کا استعمال جاری رہے گا۔ ہر ایک صوبے کو صوبے کے اندر کے سرکاری کاموں کے لیے ایک علاقائی زبان کو منتخب کرنے کی اجازت ہوگی۔ دستور ساز اسمبلی کی زبان سے متعلق کمیٹی نے ہندی کو قومی زبان کے بجائے سرکاری زبان کے طور پر منسوب کرتے ہوئے امید کی کہ اس سے لوگوں کے جذبات کو مطمئن کیا جا سکے گا اور ایک حل تک پہنچنے میں مدد ملے گی جو تمام لوگوں کے لیے بہتر ہوگا۔

دھولیکر اکیلے نہیں تھے جن کو اس طرح کا قابل مفاہمت رویہ پسند نہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ہندی کو ایک سرکاری زبان نہیں بلکہ قومی زبان کا اعلان کیا جائے۔ انھوں نے ان لوگوں پر حملہ کیا جو اس بات پر احتجاج کر رہے تھے کہ ہندی زبان کو ملک پر زبردستی لادا جا رہا ہے اور دھولیکر نے ان لوگوں کا مذاق اڑایا جو گاندھی جی کا نام لے کر ہندی کے بجائے ہندوستانی کو قومی زبان بنانا چاہتے تھے:

> جناب، کوئی بھی شخص مجھ سے زیادہ اس بات سے خوش نہیں ہو سکتا کہ ہندی ملک کی سرکاری زبان بن گئی ہے.... کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہندی زبان کو ایک رعایت دی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں ''نہیں'' یہ ایک تاریخی عمل کی تکمیل ہے۔

دھولیکر جس لہجہ میں اپنے معاملے میں دلائل پیش کر رہے تھے اس سے بہت سے ممبران کو خاص طور پر پریشانی ہو رہی تھی۔ ان کی تقریر کے دوران کئی مرتبہ اسمبلی کے صدر نے دھولیکر کو ٹوکتے ہوئے ان سے کہا تھا ''میں نہیں سوچتا کہ آپ اس طرح بولتے ہوئے اپنے معاملے کو آگے بڑھا پائیں گے''، لیکن پھر بھی دھولیکر نے اپنی تقریر جاری رکھی۔

5.2 مغلوب ہونے کا خوف

دھولیکر کی تقریر کے ایک دن بعد مدراس کی ممبر شریمتی جی۔ درگا بائی نے اس انداز میں ارتقا پذیر بحث و مباحثہ کے متعلق اپنی پریشانی کی وضاحت کی:

> جناب صدر، ہندوستان کے لیے قومی زبان کا سوال جو ابھی حال تک تقریباً اتفاق رائے تک پہنچ گیا تھا، اچانک انتہائی متنازعہ فیہ مسئلہ بن گیا ہے۔ خواہ یہ صحیح ہے یا غلط غیر ہندی زبان بولنے والے علاقوں کے لوگوں کو یہ احساس کرایا جا رہا ہے کہ یہ جھگڑا یا یہ رویہ ہندی بولنے والے علاقوں کے نمائندے کے طور پر اس ملک کی مخلوط ثقافت پر ہندوستان کی دیگر طاقتور زبانوں کے قدرتی اثر کو موثر طور پر روکنے کے لیے لڑائی ہے۔

درگا بائی نے ایوان کو مطلع کیا کہ جنوب میں ہندی کے خلاف مخالفت کافی قوی ہے۔ مخالفوں کا یہ محسوس کرنا شاید صحیح ہے کہ ہندی کے لیے یہ پروپیگنڈہ علاقائی زبانوں کی جڑیں کاٹنے کے مترادف ہے...... تاہم دوسرے ممبران کے ساتھ انھوں نے بھی گاندھی جی کے اعلان کی تعمیل کی اور جنوبی ہندوستان میں ہندی کے لیے پروپیگنڈہ جاری رکھا، بہادرانہ مزاحمت کی، اسکول کھولے اور ہندی زبان میں کلاسوں کا انتظام کیا۔ ''اب ان سب کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا''۔ درگا بائی نے پوچھا ''صدی کے ابتدائی سالوں میں ہم نے جس اشتیاق و جوش کے ساتھ ہندی کو قبول کیا تھا، اس کے خلاف میں یہ احتجاج دیکھ کر سکتے میں ہوں''۔ انھوں نے ہندوستانی کو لوگوں کی زبان کے طور پر قبول کر لیا تھا لیکن اب اس زبان کو بدلا جا رہا تھا، اردو اور دیگر علاقائی زبان کے الفاظ کو اس سے باہر کیا جا رہا تھا۔ انھیں احساس تھا بشمول ہندوستانی مخلوط کردار اور رفتہ رفتہ اسے مٹانے والے کسی بھی قدم سے مختلف زبان کے گروہ کے درمیان انتہائی بے چینی اور خوف کا پیدا ہونا لازمی تھا۔

جوں جوں بحث و مباحث تند و تیز ہوتا گیا بہت سے ممبران نے ہم آہنگی کے جذبے کے لیے اپیل کی۔ بمبئی کے ایک ممبر شری شنکر راؤ دیو نے کہا کہ ایک کانگریس اور گاندھی جی کا پیرو ہونے کے ناطے وہ ہندوستانی کو قومی زبان کے طور پر قبول کر چکے ہیں لیکن انھوں نے خبردار کیا کہ ''اگر آپ (ہندی کے لیے) میرے دل سے حمایت چاہتے ہیں تو آپ کو اب کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے میرے اندر بدگمانی پیدا ہو اور جس سے میرے خوف کو تقویت ملے۔'' مدراس کے ٹی۔اے۔ راما لنگم چیٹیار نے اس بات پر اصرار کیا کہ خواہ کچھ بھی کیا جائے احتیاط کے ساتھ کیا جائے، اگر جارحانہ انداز میں ہندی کے حق میں پیروی کی جائے گی تو اس سے ہندی کی مدد نہیں ہوگی۔ حتی

کہ اگر لوگوں کا خوف بلا جواز تھا لیکن اس کو رفع کرنا چاہیے ورنہ اس مرحلے پر یہ بات تلخ احساسات پیچھے چھوڑ جائے گی۔'' انھوں نے کہا،'' جب ہم ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور ایک متحدہ ملک کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں تو ہم آہنگی ہونی ہی چاہیے اور لوگوں پر چیزیں زبردستی مسلط کرنے کا سوال پیدا نہیں ہونا چاہیے....

ہندوستان کا دستور گہرے غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے عمل کے ذریعہ ظہور میں آیا تھا۔ اس کی بہت سی شقوں تک لین دین کے ایک عمل کے ذریعہ، دو مخالف حالتوں کے درمیان ایک درمیانی زمین تیار کرکے پہنچا گیا تھا۔

تاہم دستور کی ایک مرکزی خصوصیت پر اہمیت کی حامل باہمی رضامندی ہوگئی تھی۔ یہ رضامندی ہر ایک بالغ ہندوستانی کو حق رائے دہی دینے کے متعلق تھی۔ یہ یقین واعتماد کا ایک بے نظیر عمل تھا، دیگر جمہوریت میں حق رائے دہی آہستہ آہستہ اور مرحلہ وار عطا کیا گیا تھا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور یونائیٹڈ کنگڈم (انگلینڈ) جیسے ملکوں میں سب سے پہلے حق رائے دہی صرف صاحب ملکیت مردوں کو عطا کیا گیا تھا اس کے بعد تعلیم یافتہ مردوں کو بھی اس پر کشش دائرے میں داخل ہونے کی اجازت ملی تھی۔ ایک طویل اور تلخ جدوجہد کے بعد مزدور طبقہ اور زراعتی پس منظر کے افراد کو بھی رائے دہی کا حق دیا گیا تھا۔ حتی کہ ایسا حق حاصل کرنے کے لیے خواتین کو ایک طویل جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

دستور ہند کی دوسری اہم خصوصیت سیکولرزم پر زور تھا۔ دستور کے دیباچہ میں سیکولرزم کا اظہار اس طرح درج نہیں کیا گیا تھا لیکن دستور کی عمل آوری کے لیے ہندوستانی تناظر میں اس کی کلیدی خصوصیات کی توضیح مثالی انداز میں کی گئی تھی۔ بنیادی حقوق کے مربوط سلسلے خاص طور پر، مذہبی آزادی (آرٹیکل 28-25) ثقافتی اور تعلیمی حقوق (آرٹیکل 30-29) اور مساوات کے حقوق'' (آرٹیکل 17، 16، 14) کا مسودہ ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ ریاست کے ذریعہ تمام مذاہب کے ساتھ مساوی سلوک کرنے کی ضمانت دی اور خیراتی اور فلاحی ادارے قائم رکھنے کا حق بھی دیا۔ ریاست نے خود بھی مذہبی فرقوں سے دوری بنائے رکھنے کی کوشش کی، ریاست کے ذریعہ چلائے جانے والے اسکول اور کالجوں میں لازمی مذہبی ہدایات (تعلیم) پر روک لگا دی اور نوکریوں میں مذہبی بھید بھاؤ کو غیر قانونی اعلان کیا۔ تاہم مذہبی فرقوں کے اندر سماجی اصلاح کے لیے ایک معین قانونی گنجائش پیدا کر دی تھی۔ اس گنجائش کے استعمال سے ہی چھوت چھات پر پابندی لگی۔ ذاتی اور کنبہ کے قوانین میں تبدیلیاں متعارف کی گئیں۔ اگرچہ ہندوستانی سیاسی

© NCERT not to be republished

سیکولرزم میں پھر مذہب سے ریاست کی مطلق علاحدگی نہیں رہ پائی لیکن ان دونوں کے درمیان ایک قسم کا منصفانہ فاصلہ بنا ہوا ہے۔

دستور ساز اسمبلی کے بحث ومباحثے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتے ہیں کہ دستور کی تشکیل سازی میں بہت سی متضاد آوازیں تصفیہ کی خاطر گفت وشنید کا حصہ بنی تھیں اور بہت سے مطالبات وضاحت سے کیے گئے تھے۔ یہ بحث ومباحثہ ہمیں ان نصب العین کے متعلق بتاتے ہیں جو طلب کیے گئے تھے اور ان بنیادی اصولوں کے متعلق بتاتے ہیں جس کو دستور کے بنانے والے بروئے کار لائے۔ لیکن ان بحث ومباحثوں کو پڑھتے وقت ہمیں باخبر رہنے کی ضرورت ہوگی کہ نصب العین کو ایک خاص تناظر کے اندر طلب کرنے پر موزوں نظر آنے کی مناسبت کے لحاظ سے اکثر دوبارہ وضع کیا گیا تھا۔ گاہے گاہے اسمبلی کے ممبران نے تین سالوں تک جاری بحث ومباحثہ کے دوران اپنے خیالات کو تبدیل کر دیا تھا۔ کچھ ممبران نے دوسروں کے دلائل سننے کے بعد اپنی حالت پر از سر نو غور کیا اپنے ذہنوں کو متضاد نظریات کے لیے کھول دیا، جب کہ دیگر کچھ ممبران نے اپنے اطراف کے واقعات کے ردعمل میں اپنے نظریات تبدیل کر دیے تھے۔

شکل 15.9

دستور کا مسودہ پیش کرتے وقت بھیم راؤ امبیڈکر اور راجندر پرساد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہوئے۔

© NCERT not to be republished

ٹائم لائن

1945	
26جولائی	برطانیہ میں لیبر پارٹی اقتدار میں آئی
دسمبر جنوری	ہندوستان میں عام انتخابات
1946	
16 مئی	کابینہ کے مشن دستوری منصوبے کا اعلان
6جون	مسلم لیگ نے کابینہ مشن کے دستوری منصوبے کو تسلیم کیا
16اگست	مسلم لیگ کا ''ڈائرکٹ ایکشن ڈے'' کا اعلان
2 ستمبر	نہرو کو نائب صدر کے ساتھ کانگریس کی عبوری حکومت نے تشکیل کی
13اکتوبر	مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا
6-3دسمبر	برطانوی وزیر اعظم ایٹلی کی چند ہندوستانی لیڈروں سے ملاقات: بات چیت ناکام
9دسمبر	دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کی شروعات
1947	
29جنوری	مسلم لیگ کو دستور ساز اسمبلی کو تحلیل کرنے کا مطالبہ
16جولائی	عبوری حکومت کی آخری میٹنگ
11اگست	جناح پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے صدر منتخب
14اگست	پاکستان کی آزادی؛ کراچی میں جشن منایا گیا
15-14اگست	نصف شب میں ہندوستان کی آزادی کا جشن
دسمبر	دستور ہند پر دستخط کیے گئے

100 سے 150 لفظوں میں جواب دیجیے

1۔ اہداف قرارداد میں کیا نصب العین بیان کیے گئے تھے؟

2۔ مختلف گروہوں نے اصطلاح ''اقلیت'' کی توضیح کس طرح کی تھی؟

3۔ صوبوں کے لیے وسیع اختیارات کے حق میں کیا دلائل پیش کیے گئے تھے؟

4۔ گاندھی جی ایسا کیوں سوچتے تھے کہ ''ہندوستانی'' قومی زبان ہونی چاہیے؟

© NCERT not to be republished

مندرجہ ذیل پر ایک مختصر مضمون (250 سے 300 الفاظ پر مشتمل) لکھیے

5۔ وہ کون سی تاریخی قوتیں تھیں جنھوں نے دستور کی بصارت تشکیل دی تھی؟

6۔ مظلوم محکوم گروہوں کے تحفظ کے حق میں دیے گئے مختلف دلائل پر بحث کیجیے۔

7۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبران نے اس زمانے کے سیاسی حالات اور ایک مضبوط مرکزی ضرورت کے درمیان کس طرح کے رابطے بنانے کی بات کی؟

8۔ دستور ساز اسمبلی نے زبان کے تنازع کو کس طرح حل کرنے کی کوشش کی؟

نقشہ کا کام

9۔ موجودہ دنوں ہندوستان کا سیاسی نقشہ ہر صوبہ میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ایک دفتری زبان کو نمایاں کرتا ہے۔ آپ موجودہ نقشہ کا 1950 کی دہائی کے ابتدائی سالوں کے نقشہ سے موازنہ کیجیے۔ آپ اس میں کیا دیکھتے ہیں؟ کیا یہ اختلاف صوبہ کی تنظیم اور زبان کے رشتہ کی طرف کچھ اشارہ کرتے ہیں؟

پروجیکٹ (کوئی ایک)

10۔ کوئی ایک بہت اہم دستوری تبدیلی کا انتخاب کیجیے جو حال کے سالوں میں واقع ہوئی ہے اور پتہ لگائیے کہ یہ تبدیلی کیوں کی گئی، تبدیلی کے لیے کیا دلائل پیش کیے گئے تھے اور تبدیلی کا تاریخی پس منظر کیا تھا۔ اگر ممکن ہو تو دستور ساز اسمبلی کا بحث ومباحثہ دیکھنے کی کوشش کیجیے (http://parliamentofindia.nic.in/is/debates/debates.htm) اور دیکھیے کہ اس وقت مسائل پر کس طرح بحث کی گئی تھی۔ اپنی تحقیقات کے متعلق لکھیے۔

11۔ امریکہ، فرانس یا ساؤتھ افریقہ کے دستور سے ہندوستانی دستور کا موازنہ کیجیے۔ ذیل کے کن ہی دو پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔ سیکولرزم، اقلیتی حقوق، مرکز اور صوبوں کے درمیان رشتے۔ مقامی تاریخ سے یہ مماثلت یا اختلاف کیسے جڑے ہیں۔ وضاحت کیجیے۔

مزید معلومات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کیجیے:

گرین ول آسٹین۔ 1972
دی انڈین کانسٹی ٹیوشن:
دی کارنر اسٹو ن آف اے نیشن
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

راجیو بھارگو۔ 2000
ڈیمو کریٹک ویژن آف اے نیو ریپلک "
ٹرانسفورمنگ انڈیا : سوشل اینڈ پولیٹکل
ڈائنا مکس آف ڈیمو کریسی
مرتبہ، ایف۔ آر۔ فرنکیل وغیرہم
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی

سمت سرکار۔ 1983
انڈین ڈیمور کریسی: وی ہسٹو ریکل ان ہیر یٹنس،
دی سکسیز آف انڈیا ز ڈیمو کریسی
مرتبہ، اتل کوہلی
کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج

سمت سرکار، 1983
ماڈرن انڈیا 1947-1885
میک ملن، نئی دہلی

مزید معلومات کے لیے آپ مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر رابطہ کر سکتے ہیں:

http://parliamentofindia.nic.in/is/debates/ debates.htm
(یہاں آپ دستور ساز اسمبلی کے بحث ومباحثہ کی ڈیجیٹل اشاعت دیکھ سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

تصاویر کے لیے اظہارِ تشکر

ادارے

القاضی فاؤنڈیشن فار دی آرٹس، نئی دہلی
(تصاویر 11.6، 11.8، 12.12، 12.13)

کلیکشن جوتیندر اینڈ جوتا جین، CIVIC آرکائیوز، نئی دہلی
(تصویر 13.15)

فوٹو ڈویژن، حکومت ہند، نئی دہلی
(تصاویر 14.3، 14.10، 15.3، 15.4، 15.5، 15.6، 15.9)

دی اوشنز آرکائیو اینڈ لائبریری کلیکشن، ممبئی
(تصاویر 11.9، 11.18، 13.17)

وکٹوریہ میموریل میوزیم اینڈ لائبریری، کولکاتہ
(تصاویر 10.6، 10.7)

رسائل

بلڈر (تصویر 12.26)

پنچ (تصاویر 11.13، 11.14، 11.17)

دی السٹریٹڈ لندن نیوز (تصاویر 10.1، 10.10، 10.11، 10.12، 10.13، 10.14، 10.16، 10.17، 10.18، 10.19، 11.15، 11.16)

کتب

بیلی، سی اے، دی راج : انڈیا اینڈ دی برٹش 1600-1947
(تصاویر 10.4، 11.10، 11.11، 12.27)

ڈیلی رمپل، ولیم، دی لاسٹ مغل (تصویر 11.1)

ڈینیل تھومس اینڈ ولیم، ویوز آف کولکاتہ
(تصاویر 12.7، 12.8، 12.9، 12.19)

ایونسن نورما، دی انڈین میٹرو پولس : اے ویو ٹوورڈ دی ویسٹ
(تصاویر 12.14، 12.16، 12.20، 12.22، 12.23، 12.25، 12.29، 12.30)

میٹکاف، ٹی آر، این امپیریل ویژن : انڈین آرکٹیکچر اینڈ برٹش راج (تصویر 12.28)

پبلی کیشنز ڈویژن، مہاتما گاندھی (باب 14 میں بہت سی تصاویر)

روہے، پیٹر، گاندھی (تصاویر 13.7، 13.11، 13.12)

سنگھ، خشونت، ٹرین ٹو پاکستان (تصاویر 15.1، 15.4، 15.12، 15.13، 15.15)

© NCERT not to be republished